ستمبر۔ اکتوبر ۵۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان ربوہ

ستمبر، اکتوبر ۱۹۵٦

ایڈیٹر

ابوالعطاء جالندھری

ربوہ۔ ضلع جھنگ
پاکستان

بدل اشتراک
نچ روپے

قصيدة

فى

مدح صحابة خاتم النبيين صلى الله عليه و آله وسلم

(بقلم مؤسس الحركة الاحمدية عليه السلام)

ان الصحابة كلهم كذكاء ... قد نوروا وجه الورى بضياء

تركوا اقاربهم و حب عيالهم ... جاؤا رسول الله كالفقراء

ذبحوا و ما خافوا الورى من صدقهم ... بل آثروا الرحمن عند بلاء

تحت السيوف تشهدوا لخلوصهم ... شهدوا بصدق القلب فى الاملاء

حضروا المواطن كلها من صدقهم ... حفدوا لها فى حرة رجلاء

الصالحون الخاشعون لربهم ... البائتون بذكره و بكاء

قوم كرام لا نفرق بينهم ... كانوا لخير الرسل كالاعضاء

ما كان طعن الناس فيهم صادقا ... بل حشنة نشاءت من الاهواء

انى ارى صحب الرسول جميعهم ... عند المليك بعزة قعساء

تبعوا الرسول برحله و ثوائه ... صاروا بسبل حبيبهم كعفاء

نهضوا لنصر نبينا بوفاء ... عند الضلال و فتنة صماء

و تخيروا لله كل مصيبة ... وتهللوا بالقتل و الاجلاء

انوارهم فاقت بيان مبين ... يسود منها وجه ذى الشحناء

فانظر الى خدماتهم و ثباتهم ... ودع العدا فى غصة و صلاء

يارب فارحمنا بصحب نبينا ... و اغفر و انت الله ذو الاء

والله يعلم لو قدرت و لم امت ... لا شعت مدح الصحب فى الاعداء

ان كنت تلعنهم و تضحك خسة ... فارقب لنفسك كل استهزاء

من سب اصحاب النبى فقد ردى

حق فما فى الحق من اخفاء

معاونین ایڈیٹر: مسعود احمد دہلوی - بی اے - / شیخ خورشید احمد شاد پروفیسر جامعۃ المبشرین
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ایڈیٹر: قاضی محمد نذیر فاضل لائلپوری

جلد ۶ | ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۶ء | الفرقان | رجب، صفر ۱۳۷۶ھ | شمارہ ۹-۱۰

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
۱- عربی قصیدہ در مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رقم فرمودہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام		ٹائیٹل پیج
۲- مرض نفاق اور اس کا علاج (قرآنی آیات کی روشنی میں)	ایڈیٹر	ص۲
۳- خلافت ثانیہ کے کارنامے	جناب مسعود احمد صاحب دہلوی بی اے	ص۶
۴- صحابہ کرام اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (نظم)	جناب عبدالمنان صاحب ناہید	ص۸
۵- اسلام میں خلافت کا نظام	از قلم حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم - اے	ص۹
۶- جماعت احمدیہ میں سلسلہ خلافت (فریق لاہور پر اتمام حجت)	ایڈیٹر	ص۱۲
۷- مسلمان ماہرین جغرافیہ (انگریزی مضمون کا ترجمہ)	حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب مرحوم	ص۱۹
۸- ذوالقرنین (قرآنی بیان کی تائید میں ایران کے آثار قدیمہ کی شہادت)	از جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپوری	ص۲۵
۹- تردید بہائیت ….	ایڈیٹر	ص۳۰
۱۰- نعرۂ قلندرانہ (فارسی نظم)	جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور	ص۳۱
۱۱- حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی انجیل کہاں گئی؟	جناب گیانی واحد حسین صاحب	ص۳۲
۱۲- حضرت باوا نانک صاحب کا حج بیت اللہ اور سکھ کتب	جناب گیانی عباد اللہ صاحب	ص۳۴
۱۳- شذرات	ایڈیٹر	ص۳۶

ضروری اعلانات

۱- الفرقان کا سیرۃ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

بعض وجوہ سے یہ نمبر اکتوبر کی بجائے دسمبر ۱۹۵۶ء کے آخر میں جلسہ سالانہ کے موقع پر شائع ہو رہا ہے۔ جن حضرات کے مضامین آ چکے ہیں ان کا شکریہ۔ دوسرے احباب بھی تحقیقی مقالات بھیج کر ممنون فرمائیں۔ نظم و نثر ہر رنگ میں محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونا چاہیئے۔ اس التواء سے یہ نمبر انشاء اللہ ع دیر آید درست آید کا مصداق ثابت ہوگا۔

۲- احمدی بچوں اور بچیوں کا رسالہ

گزشتہ اشاعت میں بطور ضمیمہ عزیزم عطاء المجیب راشد سلمہ اللہ کا اعلان الفرقان میں شائع ہوا تھا جس میں احمدی بچوں اور بچیوں کے رسالہ کی تجویز مذکور تھی۔ اس تجویز کو پاکستان، ہندوستان اور بعض دیگر ممالک کے احمدی بچوں نے بہت پسند کیا ہے اور زور دیا ہے کہ جلد ایسا رسالہ جاری کیا جائے۔ ان سب عزیزوں کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ انتظامات ہو رہے ہیں جلد ہی باقاعدہ اشاعت شروع ہو جائیگی انشاء اللہ۔ بچوں کو چاہیئے کہ اپنے اپنے حلقہ میں خریدار پیدا کریں۔ جملہ خط و کتابت بنام عطاء المجیب دفتر الفرقان۔

۳- عربی ٹریکٹ "البشریٰ" کا اجراء!

عربی دان اصحاب سے علمی رابطہ پیدا کرنے کیلئے چار صفحہ کا عربی ٹریکٹ جاری کیا جا رہا ہے جب تک "البشریٰ" باقاعدہ ماہوار رسالہ کی صورت اختیار نہیں کر لیتا اسکی اشاعت مفت ہوگی۔ جو دوست چاہتے ہوں کہ انکے نام عربی ٹریکٹ بھیجے جائیں وہ فوراً اپنے پتے ذیل کے عنوان پر ارسال فرمائیں: "البشریٰ" دفتر الفرقان ربوہ پاکستان۔

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمارہ ۱۰،۹	رجب، صفر ۱۳۷۶ھ	الفرقان	ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۶ء	جلد ۶

مرضِ نفاق اور اس کا علاج

قرآنی آیات کی روشنی میں

نفاق ایک خطرناک بیماری ہے جو روح کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے۔ نفاق ایک زہر ہلاہل ہے جو خواہ فرد کے جسم میں سرایت کرے خواہ قوم کے جسم میں داخل ہو بہرحال تباہ کن ہوتا ہے۔ منافقین کا وجود سوسائٹی اور جماعت کے لئے ناسور کا حکم رکھتا ہے انسانی جسم کی قوتِ مقاومت کمزور ہو جائے تو جسمانی امراض غلبہ پا لیتے ہیں۔ اسی طرح روح کی قوتِ مقاومت ضعیف ہو جانے کے نتیجہ میں منافقت پنپتی ہے اور منافقین ایک گروہ کی صورت میں تنظیم کی کوشش کرتے ہیں۔

بلاشبہ نفاق ایک بیماری ہے، ایک قہر ہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ ہر بڑھنے والی سوسائٹی اور ہر ترقی کرنے والی جماعت میں منافقین کا ایک عنصر پایا جاتا ہے۔ مذہبی جماعتوں میں بھی منافق موجود ہوتے ہیں۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر قوتِ قدسیہ رکھتے تھے۔ آپ سے بڑھ کر کوئی شخص اپنے اتباع کا تزکیۂ نفوس نہیں کر سکتا مگر باایں ہمہ آپ کے ساتھیوں میں بھی منافق موجود تھے۔ قرآن مجید نے ان منافقین کے اقوال و اعمال کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور بڑی کثرت سے ان کی مذمت کی ہے۔ اندریں صورت یہ بات قطعاً قابلِ تعجب نہیں کہ جماعتِ احمدیہ میں جو خدا کے ایک برگزیدہ کی قائم کردہ جماعت ہے کچھ منافق پائے جائیں، بلکہ تعجب تو تب ہوتا جب اس الٰہی سلسلہ میں منافق نہ پائے جاتے۔

قرآن مجید نہایت پُر حکمت کلام ربانی ہے اس کا یہ کمال ہے کہ افراد اور قوم کی جن بیماریوں کی نشاندہی کرتا ہے ان کا کامل علاج بھی خود بتاتا ہے۔ قرآن پاک نے نفاق کو فرد اور قوم کی خطرناک مرض قرار دیا ہے اور منافق کو کافر سے بھی بدتر ٹھہرایا ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

جب قرآن مجید نے نفاق کو اس قدر گھناؤنی بیماری قرار دیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ اس بیماری کا مداوا بھی خود بتائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں آیاتِ ذیل میں جامع تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:-

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ
فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ
نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا
سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا
وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا
مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ
غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۗ إِنَّ
اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَ
الْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝
الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ
كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا
أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ
لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ
نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَنْ
يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝ إِنَّ
الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ
وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا
إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ
يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مُذَبْذَبِينَ
بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَ
لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ
أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ
عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝ إِنَّ
الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ
مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَ
اعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا
دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ
الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ
اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(سورۃ النساء: ۱۳۸-۱۴۶)

ترجمہ:۔ منافقین کو آگاہ کر دے کہ ان کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔ یہ لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا مددگار اور دلی دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس جا کر عزت چاہتے ہیں؟ یقیناً سب عزت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں پہلے سے یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے نشانات کا انکار اور ان پر استہزاء سنو تو ایسا کرنے والوں کے پاس مت بیٹھو بجز اس کے کہ وہ اور باتیں کریں۔ ورنہ بصورت دیگر تم بھی ان کی مانند قرار پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔ یہ منافق تمہارے بارے میں حوادث کے منتظر رہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں فتح نصیب ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو موقعہ مل جائے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا فلاں موقعہ پر ہم تمہارے آڑے نہ آئے تھے اور ہم نے تمہیں مومنوں سے نہ بچایا تھا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم سب کے درمیان آخری فیصلہ

فرمادیگا۔ بہرحال وہ سچے مومنوں پر کافروں کو غلبہ نہ ہونے دیگا۔ منافق تو اللہ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کا مزہ انہیں چکھانے والا ہے۔ یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل اور سُستی کے عالم میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو بالکل یاد نہیں کرتے۔ یہ لوگ حالت تذبذب میں ہیں نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دیدے تو ان کی ہدایت کے لئے کوئی راہ نہ پاسکے گا۔ اے مومنو! ان کافروں کو مومنوں کی بجائے دوست مت بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تم خود اپنے ذمے اللہ تعالیٰ کا الزام قائم کرلو۔ یقیناً منافق تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کیلئے کوئی مددگار نہ پاسکے گا۔ ہاں جو لوگ ان میں سے سچی توبہ کرلیں پھر اپنی خرابیوں کی اصلاح کردیں وہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط پیوند باندھ لیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی کامل اور مخلصانہ اطاعت کریں وہ مومنوں کے ساتھ قرار پائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔"

اِن آیات پر تدبر کرنے سے مندرجہ ذیل امور بالبداہت ثابت ہیں:۔

اوّل:۔ منافق کی ایک بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیوی عزّت کا بھوکا ہوتا ہے۔ وہ اس غرض سے مومنین کی غریب جماعت سے روحانی تعلقات استوار کرنے کی بجائے غیروں سے رشتے جوڑتا ہے، ان سے تعلقات بڑھاتا ہے اور اس ذریعہ سے دُنیا میں عزّت، شہرت اور غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

دوم:۔ منافق باہم ملتے رہتے ہیں اور ٹولیاں بنا بناکر اللہ تعالیٰ کے نشانات، اسکی پیشگوئیوں اور احکام پر ٹھٹھا اور استہزاء کرتے ہیں۔ ان کی مجالس کا عام انداز یہی ہوتا ہے اور اسی مقصد سے وہ اکٹھے ہوتے رہتے ہیں۔

سوم:۔ منافقوں کی سوسائٹی میں شرکت سے مومنوں کو منع کردیا گیا ہے بلکہ یہاں تک بتلا دیا گیا کہ اگر تم خاموشی سے بھی ان کی مجلسوں میں بیٹھتے ہو تو تم ہماری نظروں میں منافقوں ہی کے ساتھی ہو۔ مومن نہ ایسی گفتگو کرسکتے ہیں جس میں آیات اللہ کا استخفاف پایا جاتا ہو۔ اور نہ ہی خاموشی سے ایسی گفتگو کو برداشت کرسکتے ہیں۔ اس موقعہ پر رواداری برتنے کے مدعی دراصل نفاق کے زہر سے مسموم ہوچکے ہوتے ہیں۔

چہارم:۔ منافقوں کی ایک واضح علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ مومنوں پر حوادث آنے کے منتظر رہتے ہیں وہ انتظار کرتے رہتے ہیں کہ جماعت مومنین پر آج کوئی آفت پڑی یا کل پڑی۔ اسلئے وہ پوری یکسوئی اور پورے دل سے جماعت کا ساتھ نہیں دیتے۔ اور نہ ہی جماعتی قربانیوں میں شرح صدر سے حصہ لیتے ہیں۔

پنجم:۔ مومنوں کی فتح اور ان کے غلبہ کے وقت اموال میں سے حصہ لینے کے لئے آگے بڑھ بڑھ کر کہتے ہیں کہ اجی ہم بھی تو ساتھ تھے ہمیں بھی غنیمت میں سے حصہ دو۔ لیکن اگر کافروں کو عارضی فتح ہو جائے تو ان سے اپنی ان کارستانیوں اور ریشہ دوانیوں کو ذکر کرنے لگ جاتے ہیں جو عین جہاد کے موقعہ پر

بھی یہ بدبخت مومنوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔ جن سے کفار کی بلاواسطہ یا بالواسطہ امداد مقصود ہوتی ہے۔

ششم:۔ منافقین عبادات میں سستی اور کسل کا شکار ہوتے ہیں وہ پنجوقتہ نماز بالالتزام باجماعت ادا کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ ان کی عبادت ریاکاری کے طور پر ہوتی ہے۔ نہ کہ خالصاً ذکر الٰہی کے لئے۔ منافق کی یہ کھلی اور واضح علامت ہے۔

ہفتم:۔ منافق عملی زندگی میں ڈانواں ڈول ہوتا ہے کبھی اِدھر کبھی اُدھر، اور در حقیقت نہ اِدھر نہ اُدھر۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اعتبار نہ اپنوں میں ہوتا ہے نہ بیگانوں میں۔ اسے انجام کار ہر طرف سے دھکے ملتے ہیں۔

ہشتم:۔ منافق اپنے منصوبوں میں ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ وہ آخرکار هَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا کے مصداق بنتے ہیں۔ وہ منافقت کے ذریعہ وہ مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں جسے پا نہیں سکتے۔ دنیوی طور پر بھی اور دینی طور پر بھی منافق کے حصے میں ناکامی و نامرادی ہی لکھی ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد وہ جہنم میں جاتا ہے اور دنیا میں مومنوں کی ترقیات کو دیکھ دیکھ کر آگ کے انگاروں پر لوٹتا ہے۔ منافق کی حالت نہایت عبرتناک ہوتی ہے۔

نہم:۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے ساتھ تعلقات رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ فرمایا ہے کہ اگر منافق کے نفاق کا پتہ لگ جانے کے باوجود تم اس سے دوستانہ مراسم رکھتے ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں زیر الزام آتے ہو اور تم خود نفاق کی آغوش میں چلے جاتے ہو۔ نہ صرف ان کی مجلسوں سے اجتناب اختیار کرو بلکہ ان کی دوستی اور ان سے قلبی تعلقات سے بھی پہلو تہی کرو۔

دہم:۔ عام منافق کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوگا ہے مگر اس کی توبہ کے لئے چار شرائط مقرر ہیں۔ (۱) اس کی توبہ برملا ہو۔ دل کی ندامت اور پشیمانی کا کھلے بندوں اعتراف کرے۔ (۲) اس نے نفاق کے دوران جو جو خرابی پیدا کی تھی اور جس جس جگہ آیات اللہ سے ٹھٹھا اور استہزا کیا تھا ان تمام خرابیوں کا ازالہ کرے اور ہر ممکن رنگ میں تلافی کرے۔ (۳) توبہ کے پیچھے کوئی دنیوی مقصد نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر ہو اور اس سے مضبوط رابطہ پیدا کرنا مقصود ہو۔ (۴) آئندہ کیلئے عملی طور پر دین کے احکام کا پورے طور پر اور مخلصانہ رنگ میں پابند ہو۔

اِن چار شرائط کے پورا کرنے کی صورت میں نفاق زائل ہو جاتا ہے اور انسان مومن بن کر اللہ تعالیٰ کا قرب اور جماعت مومنین کی معیت حاصل کر لیتا ہے۔

اِن آیاتِ قرآنی میں جامع رنگ میں یہ امور بیان ہوئے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ نفاق کیونکر پیدا ہوتا ہے، اس کی کیا نشانیاں ہیں، نفاق کیونکر بڑھتا ہے اور اس کا علاج کیا ہے وغیرہ۔ یقیناً اِن آیات کی روشنی میں نفاق کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

خلافتِ ثانیہ کے کارنامے اور غیر مبائعین

غیر ممالک میں اشاعتِ اسلام کا فریضہ کون ادا کر رہا ہے؟

(جناب میاں مسعود احمد صاحب دہلوی بی۔ اے)

غیر مبائعین ۱۹۱۴ء میں جماعت سے علیحدہ ہو گئے

دراصل وہ اس زعم میں علیحدہ ہوئے تھے کہ ہم انگریزی دان ہیں۔ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا مسودہ ہمارے قبضہ میں ہے اور صدر انجمن کا خزانہ ہم نے پہلے ہی خالی کر دیا ہے۔ اب ممالکِ غیر میں اشاعتِ اسلام کے کام پر ہماری اجارہ داری ہو گی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض کو پورا کرنے والے ہم ہوں گے نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے بعد بھی خلافتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔

خلافتِ حقہ سے منہ موڑنے کے بعد انکے اس زعم اور تعلی کا جو حشر ہوا وہ آج دنیا کے سامنے ہے۔ وہی لوگ جو خلافت کے نظام کو ممالکِ غیر میں اشاعتِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی روک ظاہر کرتے تھے آج خود اشاعتِ اسلام کے فریضے سے محروم ہونیکے بعد ایک ایسے کلچرل سنٹر (ووکنگ مشن) کو جس کا انکی اپنی انجمن یا احمدیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اپنے تبلیغی کارنامے کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح وہ اس شرمندگی کو دور کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے ۴۳ سال پرانی تعلیوں کی ناکامی کے باعث آج انہیں دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

اسکے بالمقابل جماعت احمدیہ مشرق و مغرب میں قرآن مجید کے تراجم اور اسلام کی اشاعت اسقدر عظیم الشان طریقے پر کر رہی ہے کہ اپنے اور پرائے سب عش عش کر اٹھے ہیں اور گواہی دے رہے ہیں کہ آج اگر اکنافِ عالم میں عیسائیت کے مقابلے پر تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کر رہی ہے تو جماعت احمدیہ کی وہ شاخ ہے جس کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں۔

ذیل میں ہم بعض عیسائی مصنفین کے ایسے مخصوص حوالے درج کرتے ہیں جن میں غیر مبائعین کے بالمقابل مبائعین کے تبلیغی کارناموں کا ذکر کر کے اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ، امریکہ میں تبلیغِ اسلام کی کامیاب جدوجہد کا سہرا جماعت احمدیہ کی "قادیانی شاخ" کے سر ہے۔ مشہور مستشرق ایچ۔ اے۔ آر۔ گب اپنی کتاب *Muhammedanism* کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۵۰ء کے صفحہ ۱۸۷ پر لاہوری جماعت اور جماعت احمدیہ قادیان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"۱۹۱۴ء میں خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ جماعت کا اصل حصہ یعنی "قادیانی شاخ" قادیانی سلسلہ کے دعوئ مہدویت اور انکے بعد خلافت کے اجراء پر قائم رہی لیکن علیحدہ ہونیوالے گروپ یعنی "لاہوری پارٹی" نے ان دونوں باتوں کا انکار کر دیا اور ایک نئے امیر کے تحت "انجمن اشاعت اسلام" کی بنیاد ڈال لی۔ لاہوری شاخ نے تجدید اہلسنت والجماعت کیساتھ مل جانیکی کوشش کی لیکن علماء اب بھی ان کو شبہ کی نگاہ سے ہی دیکھتے ہیں۔"

اسکے بعد پروفیسر گب دونوں شاخوں کی تبلیغی سرگرمیوں کی بابت یوں لکھتے ہیں:-

"علی الخصوص قادیانی شاخ کو مشرق الہند اور جنوبی، شرقی اور مغربی افریقہ میں عیسائی مشنوں کے سرگرم مدمقابل کی حیثیت حاصل ہے۔"

اسی طرح لندن یونیورسٹی میں قوانین مشرق کے پروفیسر مسٹر جے۔ این۔ اینڈرسن نے اپنی کتاب "Islamic Law in Africa"

مطبوعہ ۱۹۵۴ء کے صفحہ ۲۵۰ پر جماعت احمدیہ سے لاہوری پارٹی کی علیحدگی کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ افریقہ میں جو جماعت اسلام پھیلانے میں مصروف ہے وہ "جماعت احمدیہ قادیان" ہے نہ کہ لاہوری پارٹی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"(حضرت) احمد کا ۱۹۰۸ء میں انتقال ہو گیا آپ کے بعد پہلے خلیفہ کے طور پر حکیم نور الدین رضؓ آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ انکی خلافت پر جماعت میں اختلاف رونما ہوا۔ بانی سلسلہ کے سب سے بڑے صاحبزادے جو آپ کے دوسرے حرم سے ہیں خلیفہ ثانی منتخب کر لئے گئے۔ اس پر مخالف پارٹی جماعت سے علیحدہ ہو گئی۔ اس پارٹی کا کہنا یہ تھا کہ جماعت میں خلیفہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تمام امور صدر انجمن احمدیہ کے اختیار میں ہونے چاہئیں۔ اس وقت سے علیحدہ ہونیوالے گروپ کا میلان جو "لاہوری پارٹی" کے نام سے موسوم ہے کٹر قسم کے اسلام کی طرف رہا ہے۔ برخلاف اسکے قادیانی جماعت مسیح موعود کے فرزند یا مصلح موعود کی زیر قیادت احمدیت کی اصل تعلیم پر عمل پیرا ہے (ان میں سے) قادیانی جماعت ہی ہے جو افریقہ میں برسرکار ہے۔"

اسی طرح سر فرانسس ینگ ہسبینڈ کے سی۔ ایس۔ آئی، کے سی۔ آئی۔ ای نے اپنی کتاب "Dawn in India" کے صفحہ ۲۴۳-۲۴۴ پر سیدنا حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی زیر قیادت مشرق و مغرب میں تبلیغ اسلام کی عظیم الشان مہم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی وہی تحریک جو قادیان کی گمنام بستی سے اٹھی تھی برابر آگے بڑھ رہی ہے اور آج یورپ، ایشیا اور افریقہ کے متعدد ممالک میں باقاعدہ احمدیہ جماعتیں قائم ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"اگرچہ آپ (حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام) پنجاب کے ایک چھوٹے سے دور افتادہ گاؤں قادیان میں رہتے تھے اور وہیں سے آپ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے کام کا آغاز کیا تاہم خدا نے اپنے الہام کے ذریعہ آپکو بتایا کہ تین سو سال کے اندر اندر تمام مغربی ممالک اسلام قبول کر لینگے اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے بہت تھوڑی تعداد میں رہ جائیں گے۔

ابتداء ہی سے آپ کو بڑی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن جس تحریک کا آپ نے آغاز کیا تھا اس نے بڑی مضبوطی کیساتھ آگے قدم بڑھایا ہے۔ جماعت کے موجودہ منتخب شدہ امام حضرت مرزا (بشیر الدین) محمود احمد ہیں۔ آپ کے ماننے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور آج یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں احمدیہ جماعتیں قائم ہیں۔"

مزید برآں مشہور مستشرق "Alfred Guillaume" اپنی کتاب "Islam" مطبوعہ ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۱۲۶ پر جماعت احمدیہ کی کامیاب تبلیغی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یہ لوگ اپنے عقائد کو پھیلانے اور انکی تبلیغ کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب رہے ہیں جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ میں انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا ہے۔ ان کے اس دعویٰ کو کہ اب ان کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ چکی ہے مبالغہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔"

خود عیسائی مصنفین کے یہ اقتباسات جو ہم نے نمونۃً اوپر درج کئے ہیں اس حقیقت پر زندہ گواہ ہیں کہ آج دنیا کے کناروں تک اسلام کا پیغام اسی خلیفہ برحق اور فرزند موعود کے ذریعہ پہنچ رہا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص الہام کے ذریعہ خبر دی تھی کہ وہ

زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔

صحابہ کرام اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(جناب عبدالمنّان ناہید)

حکمت خدا کی تھی کہ ہوئے بادیہ نشیں
پہلے پہل امانتِ قرآں کے امیں
عشاقِ جاں نثار نبیؐ کے رفیقِ کار
میخانۂ حجاز کے معمارِ اوّلیں
اہلِ جہاں تھے اہلِ جہاں سے الگ بھی تھے
یعنی زمیں سے دور اور افلاک کے قریں
کہتے ہیں مشقِ تیر نوازی میں محو تھے
وہ غازیانِ دینِ متیں ایک دن کہیں
اک حزب میں رسولِ خدا جا کے مل گئے
فخرِ زمیں ۔ نازِ فلک ۔ تاجِ مرسلیں
گذری یہ بات عشق و وفا کیش پر گراں
اپنی کمانیں حزبِ مخالف نے پھینک دیں
بولے کہ جس طرف ہوں خدا کے رسولِ پاکؐ
ہم اُس طرف کو تیر چلائیں، نہیں، نہیں

اِسلام میں خلافت کا نظام

(رقم فرمودہ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

محترمی مولوی ابوالعطاء صاحب ایڈیٹر رسالہ الفرقان اور پرنسپل جامعہ احمدیہ[1] نے مجھ سے باصرار خواہش کی ہے کہ رسالہ الفرقان کے خلافت نمبر کے لئے کوئی مضمون لکھ کر ارسال کروں۔ مَیں اسے سراسر خدا تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک حد تک تحریری خدمت کی توفیق دے رکھی ہے لیکن طبیعت کی موجودہ حالت میں اور اتنے تنگ وقت پر (کیونکہ مضمون کا مطالبہ آج شام یا کل صبح تک ہے) دلجمعی کے ساتھ مضمون لکھنا ممکن نہیں۔ پس مَیں فی الحال محض شرکت کے ثواب کی خاطر اور مولوی صاحب موصوف کی خواہش کے احترام میں ذیل کے مختصر نوٹ پر اکتفا کرتا ہوں۔ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ۔

خلافت کا مضمون موٹے طور پر مندرجہ ذیل شاخوں میں تقسیم شدہ ہے۔ (۱) خلافت کی تعریف (۲) خلافت کی ضرورت (۳) خلافت کا قیام (۴) خلافت کی علامات (۵) خلافت کے اختیارات (۶) خلافت سے عزل کا سوال اور (۷) خلافت کا زمانہ۔ مَیں ان سب کے متعلق مختصر فقرات میں جواب دینے کی کوشش کروں گا واللہ الموفق والمستعان۔

[1] یہ مضمون الفرقان اپریل مئی سنہ ۵۲ء کے خلافت نمبر کے لئے لکھا گیا تھا جن دنوں مَیں جامعہ احمدیہ میں تھا۔
ابوالعطاء جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین

خلافت کی تعریف

سب سے اوّل نمبر پر خلافت کی تعریف کا سوال ہے یعنی یہ کہ خلافت سے مراد کیا ہے اور نظامِ خلافت کس چیز کا نام ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ خلافت ایک عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی کے پیچھے آنے یا کسی کا قائم مقام بننے یا کسی کا نائب ہو کر اس کی نیابت کے فرائض سرانجام دینے کے ہیں۔ اور اصطلاحی طور پر **خلیفہ** کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ **اوّل** وہ ربانی مصلح جو خدا کی طرف سے دنیا میں کسی اصلاحی کام کے لئے مامور ہو کر مبعوث کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس معنی میں تمام انبیاء اور رسول **خلیفۃ اللہ** کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت میں کام کرتے ہیں اور انہی معنوں میں قرآن شریف نے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کو "خلیفہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ **دوم** وہ برگزیدہ شخص جو کسی نبی یا روحانی مصلح کی وفات کے بعد اس کے کام کی تکمیل کے لئے اس کا قائم مقام اور اس کی جماعت کا امام بنتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بنے۔

خلافت کی ضرورت

دوسرا سوال خلافت کی ضرورت کا ہے یعنی نظامِ خلافت کی ضرورت کس غرض سے پیش آتی ہے؟ سو اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت و دانائی کے ماتحت ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے قانونِ طبعی کے

ماتحت انسان کی عمر محدود ہے لیکن اصلاح کا کام لمبے زمانہ کی نگرانی اور تربیت چاہتا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے نبوت کے بعد خلافت کا نظام مقرر فرمایا ہے تاکہ نبی کی وفات کے بعد **خلفاء** کے ذریعہ اُس کے کام کی تکمیل ہو سکے۔ گویا جو تخم نبی کے ذریعہ بویا جاتا ہے اسے خدا تعالیٰ خلفاء کے ذریعہ اس حد تک تکمیل کو پہنچانے کا انتظام فرماتا ہے کہ وہ ابتدائی خطرات سے محفوظ ہو کر ایک مضبوط پودے کی صورت اختیار کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلافت کا نظام دراصل نبوت کے نظام کی **فرع** اور اس کا تتمہ ہے۔ اسی لئے ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ہر نبوت کے بعد خلافت کا نظام قائم ہوتا ہے۔

خلافت کا قیام

چونکہ خلافت کا نظام نبوت کے نظام کی فرع اور اس کا تتمہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے قیام کو نبوت کی طرح اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ خدا کے علم میں جو شخص بھی حاضر الوقت لوگوں میں سے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے سب سے زیادہ موزون ہو وہی مسندِ خلافت پر متمکن ہو سکے۔ البتہ چونکہ نبی کی بعثت کے بعد مومنوں کی ایک جماعت وجود میں آچکی ہوتی ہے اور وہ نبوت کے فیض سے تربیت یافتہ بھی ہوتی ہے اسلئے خدا تعالیٰ خلافت کے انتخاب میں مومنوں کو بھی حصہ دار بنا دیتا ہے تاکہ وہ اس کی اطاعت بجا لانے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے میں زیادہ شرح صدر محسوس کریں۔ اس طرح خلیفہ کا انتخاب ایک عجیب و غریب مخلوط قسم کا رنگ رکھتا ہے۔ کہ بظاہر مومن انتخاب کرتے ہیں مگر حقیقۃً خدا کی تقدیر پوری ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ مومنوں کے دلوں پر تصرف فرما کر ان کی رائے کو اہل شخص کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں ہر جگہ خلفاء کے تقرر کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور بار بار فرمایا ہے کہ خلیفہ میں بناتا ہوں۔ اور اسی حقیقت کیطرف اشارہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق حدیث میں فرماتے ہیں کہ میرے بعد خدا اور مومنوں کی جماعت ابوبکرؓ کے سوا کسی اور شخص کی خلافت پر راضی نہیں ہوں گے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی رسالہ الوصیت میں یہی نکتہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے خود حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا کر کے مسلمانوں کی گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیا اور حضرت ابوبکرؓ کی مثال پر خود اپنے متعلق بھی فرماتے ہیں کہ میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو خدا کی دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔ ان حوالوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ گو بظاہر خلافت کے تقرر میں مومنوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے لیکن حقیقۃً تقدیر خدا کی چلتی ہے۔

خلافت کی علامات

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کی علامات کیا ہیں جن سے ایک سچے خلیفہ کو شناخت کیا جا سکے؟ سو جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے ایک خلیفہ برحق کی دو بڑی علامتیں ہیں۔ **ایک علامت** وہ ہے جو سورہ نور کی آیت استخلاف میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا۔ یعنی سچے خلفاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین کی مضبوطی کا سامان پیدا کرتا ہے اور مومنوں کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دیتا ہے۔ یہ خلفاء صرف میری ہی عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے۔" پس جس طرح ہر درخت اپنے ظاہری پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ہر سچا خلیفہ اپنے اس روحانی پھل سے پہچانا جاتا ہے جو اس کی ذات کے ساتھ ازل سے مقدر ہو چکا ہے۔ **دوسری**

علامت حدیث میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہے کہ استثنائی حالات کو چھوڑ کر ہر خلیفہ کا انتخاب مومنوں کی اتفاق رائے یا کثرت رائے سے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ گو حقیقۃً تقدیر خدا کی چلتی ہے مگر خدا نے اپنی حکیمانہ تدبیر کے ماتحت خلفاء کے تقرر میں بظاہر مومنوں کی رائے کا بھی دخل رکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے تعلق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **یدفع اللہ و یابی المؤمنون** یعنی نہ تو خدا تقدیر ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ بننے دے گی اور نہ ہی مومنوں کی جماعت کسی اور کی خلافت پر راضی ہوگی۔ پس ہر خلیفہ برحق کی یہ دُہری علامت ہے کہ (۱) وہ مومنوں کے انتخاب سے قائم ہو اور (۲) خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی نصرت اور تائید میں کھڑا ہو جائے اور اس کے ذریعہ دین کو تمکنت پہنچے۔ اس کے سوا بعض اور علامتیں بھی ہیں مگر اس جگہ اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔

خلافت کی برکات

جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے خلافت کا نظام ایک بہت ہی مبارک نظام ہے جس کے ذریعہ **آفتاب نبوّت** کے ظاہری غروب کے بعد اللہ تعالیٰ **ماہتاب نبوّت** کے طلوع کا انتظام فرماتا ہے اور الٰہی جماعت کو اُس دھکے کے خطرات سے بچا لیتا ہے جو نبی کی وفات کے بعد نوزائیدہ جماعت پر ایک بھاری مصیبت کے طور پر وارد ہوتا ہے۔ نبی کا کام جیسا کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے تبلیغ ہدایت کے ساتھ ساتھ مومنوں کی جماعت کی دینی تعلیم، ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت اور ان کی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ سارے کام نبی کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جس کا وجود جماعت کو انتشار سے بچا کر انہیں ایک مضبوط لڑی میں پروئے رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں نبی کا وجود جماعت کے لئے محبت اور اخلاص کے تعلقات کا روحانی مرکز ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ اتحاد اور یکجہتی اور باہمی تعاون کا زرّیں سبق سیکھتے ہیں اور خلیفہ کا وجود اس درس وفا کو جاری اور تازہ رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے وجود کو جو ایک ہاتھ پر جمع ہونے کی وجہ سے خلیفہ کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ایک بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے اور اسے انتہائی اہمیت دی ہے اور جماعت میں انتشار پیدا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ **مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ**۔ یعنی جو شخص جماعت سے کٹتا اور اس کے اندر تفرقہ پیدا کرتا ہے وہ اپنے لئے آگ کا رستہ کھولتا ہے۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**۔ یعنی اے مسلمانو! تم پر تمام دینی امور میں میری سُنّت پر عمل کرنا فرض ہے اور میرے بعد میرے خلفاء کے زمانہ میں اُن کی سُنّت پر عمل کرنا بھی واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوں گے۔ پس خلافت کا نظام ایک نہایت ہی بابرکت نظام ہے جس کے ذریعہ جماعتی اتحاد اور مرکزیت کے علاوہ جس کی ہر نوزائیدہ جماعت کو بھاری ضرورت ہوتی ہے نبوّت کا نور جماعت کے سر پر جلوہ افروز رہتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی برکت ہے۔

خلافت کے اختیارات

اگلا سوال خلافت کے اختیارات سے تعلق رکھتا ہے۔ سو اس سوال کے جواب کو سمجھنے کے لئے بنیادی نکتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلافت ایک روحانی نظام ہے جس میں حکومت کا حق اُوپر سے نیچے کو آتا ہے۔ اور چونکہ خلافت کا نظام نبوّت کے نظام کی فرع ہے اور دوسری طرف شریعت ہمیشہ کے لئے مکمل ہو چکی ہے اسلئے جس طرح شریعت کے

حدود کے اندر اندر نبوت کے اختیارات وسیع ہیں اسی طرح شریعت اور سنتِ نبوت کی حدود کے اندر اندر خلافت کے اختیارات بھی وسیع ہیں یعنی ایک خلیفہ اسلامی شریعت کی حدود کے اندر اندر اور اپنے متبوع کی سنت کے تابع رہتے ہوئے الٰہی جماعت کے نظم و نسق میں وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے جمہوریت زدہ نوجوان اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک واحد شخص کے اختیارات کو اتنی وسعت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں سوچنا چاہیئے کہ **اوّل** تو خلافت کسی جمہوری اور دنیوی نظام کا حصہ نہیں۔ بلکہ روحانی اور دینی نظام کا حصہ ہے جس کا حق خدا تعالےٰ کے ازلی حق کا حصہ بن کر اوپر سے نیچے کو آتا ہے اور خدا کا سایہ خلفاء کے سر پر رہتا ہے۔ **دوسرے** جب ایک خلیفہ کے لئے شریعت کی آہنی حدود معیّن ہیں اور نبی متبوع کی سنت کی چار دیواری بھی موجود ہے تو ان ٹھوس قیود کے ماتحت اس کے اختیارات کی وسعت پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ نبی کے بعد خلیفہ کا وجود یقیناً ایک نعمت اور رحمت ہے اور رحمت کی وسعت بہرحال برکت کا موجب ہوتی ہے نہ کہ اعتراض کا۔ بایں ہمہ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ چونکہ خلیفہ کے انتخاب میں بظاہر لوگوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے اسلئے اسے تمام اہم امور میں مومنوں کے مشورہ سے کام کرنا چاہیئے بے شک وہ اس بات کا پابند نہیں کہ لوگوں کے مشورہ کو ہر صورت میں قبول کرے لیکن وہ مشورہ حاصل کرنیکا پابند ضرور ہے۔ تاکہ اس طرح ایک طرف تو جماعت میں ملّی اور دینی سیاست کی تربیت کا کام جاری رہے اور دوسری طرف عام کاموں میں مشورہ قبول کرنے سے جماعت میں زیادہ بشاشت کی کیفیت پیدا ہو۔ لیکن خاص حالات میں وَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

کا مقام بھی قائم رہے۔ یہ ایک بہت لطیف فلسفہ ہے ولٰکن قلیلاً ما یتفکرون۔

خلافت سے عزل کا سوال

جن لوگوں نے خلافت کے مقام کو نہیں سمجھا وہ بعض اوقات اپنی نادانی سے خلیفہ کے عزل کے سوال میں اُلجھنے لگتے ہیں۔ وہ دنیا کے جمہوری نظاموں کی طرح خلافت کو بھی ایک دنیوی نظام خیال کرکے حسبِ ضرورت خلیفہ کے عزل کا رستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک انتہا درجہ کی جہالت کا خیال ہے جو خلافت کے حقیقی مقام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے خلافت ایک روحانی نظام ہے جو خدا تعالےٰ کے خاص تصرف کے ماتحت نبوت کے تتمہ اور تکملہ کے طور پر قائم کیا جاتا ہے اور گو اس میں مصلحتِ الٰہی سے بظاہر لوگوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے مگر حقیقۃً وہ خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر کے ماتحت قائم ہوتا ہے اور پھر وہ ایک اعلیٰ درجہ کا الٰہی انعام بھی ہے۔ پس اس کے متعلق کسی صورت میں عزل کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ **"خدا تجھے ایک قمیص پہنائے گا مگر منافق لوگ اُسے اُتارنا چاہیں گے لیکن تم اسے ہرگز نہ اُتارنا"** اس مختصر ارشاد میں خلافت کے بابرکت قیام اور عزل کی ناپاک تحریک کا سارا فلسفہ آجاتا ہے۔ پھر نادان لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر باوجود اس کے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اس کے عزل کا سوال اٹھ سکتا ہے تو پھر نعوذ باللہ ایک نبی کے عزل کا سوال کیوں نہیں اٹھ سکتا۔ پس حق یہی ہے کہ خلفاء کے عزل کا سوال بالکل خارج از بحث ہے اور انبیاء کی طرح ان کے مزعومہ عزل کی ایک ہی صورت ہے کہ خدا انہیں

موت کے ذریعہ دنیا سے اُٹھالے۔ خوب یاد رکھو کہ خلافت کے عزل کا سوال خلافت کے قیام کی فرع ہے نہ کہ ایک مستقل سوال۔ پس اگر یہ ایک حقیقت ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اس نے بار بار اعلان فرمایا ہے اور جیسا کہ ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں صراحت فرمائی ہے تو عزل کا سوال کسی سچے مومن کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو اس ضبط و نظم کا مذہب ہے کہ اس نے دنیوی حکمرانوں کے متعلق بھی جو محض لوگوں کی رائے سے یا ورثہ کی صورت میں قائم ہوتے ہیں تعلیم دی ہے کہ ان کے خلاف سر اُٹھانے اور ان کے عزل کی کوشش کرنے کے درپے نہ ہو اِلّا ان تروا کفراً بواحاً (سوائے اس کے کہ تم ان کے رویہ میں خدائی قانون کی صریح بغاوت پاؤ) تو کیا وہ خدا کے بنائے ہوئے خلفاء اور نبی کے مقدس جانشینوں کے متعلق عزل کی اجازت دے سکتا ہے؟ ھیھات ھیھات بما تؤمرون!۔

خلافت کا زمانہ

بالآخر اِس بحث میں خلافت کے زمانہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ جب خلافت خدا کا ایک انعام ہے اور وہ نبوت کے کام کی تکمیل کے لئے آتی ہے تو لازماً اس کے قیام کی دو ہی شرطیں سمجھی جائیں گی۔ اوّل یہ کہ خدائے حکیم و علیم کے علم میں مومنوں کی جماعت میں اس کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود ہوں اور دوسرے یہ کہ نبوت کے کام کی تکمیل کے لئے اس کی ضرورت باقی ہو۔ اور چونکہ یہ دونوں باتیں خدا تعالیٰ کے مخصوص علم سے تعلق رکھتی ہیں اسلئے کسی دور میں خلافت کے زمانہ کا علم بھی صرف خدا کو ہی ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نبوت کے متعلق فرماتا ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ یعنی "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سپرد کرے۔" اور چونکہ خلافت کا نظام بھی نبوت کے نظام کی فرع ہے اسلئے اس کے لئے بھی یہی قانون نافذ سمجھا جائے گا۔ جو اس لطیف آیت میں نبوت کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اب چونکہ حَیْثُ کا لفظ جو اس آیت میں رکھا گیا ہے عربی زبان میں **ظرف مکان اور ظرف زمان** دونو طرح استعمال ہوتا ہے اسلئے اس آیت کے مکمل معنی یہ بنیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِس بات کو بہتر جانتا ہے کہ نبوت اور اس کی اتباع میں خلافت پر کس شخص کو فائز کرے اور پھر کس عرصہ تک کے لئے اس انعام کو جاری رکھے۔ پس جب تک کسی الٰہی جماعت میں خلافت کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود رہیں گے اور پھر جب تک خدا کے علم میں کسی الٰہی جماعت کے لئے نبوت کے کام کی تکمیل اور اس کی تخم ریزی کے نشوونما کی ضرورت باقی رہے گی خلافت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور اگر کسی وقت ظاہری اور تنظیمی خلافت کا دور درمیان سے کٹ جائے اس کے مقابل پر اسلام کی خدمت کے لئے روحانی خلافت کا دور پھر آئے گا۔ اور اس طرح انشاء اللہ اسلام کے باغ پر کبھی دائمی خزاں کا غلبہ نہیں ہوگا۔ وذٰلک تقدیر العزیز الحکیم ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العظیم +

خاکسار

راقم۔ مرزا بشیر احمدؐ۔ ربوہ

الفرقان کی اشاعت بڑھا کر ادارہ سے تعاون کیجئے!

جماعتِ احمدیّہ میں سلسلہ خلافت!

احبابِ فریقِ لاہور پر مسئلہ خلافت کے متعلّق اتمامِ حجّت!

(۱)

جناب مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی یا فریق لاہور نے ۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ سے علیحدگی اختیار کر کے لاہور میں الگ انجمن کی بنیاد رکھی۔ اس تفرقہ کا بنیادی سبب کیا تھا؟ جناب مولوی صاحب موصوف کا اپنا بیان ہے کہ:-

"اس وقت ہمارے اندر جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ ایک فریق کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد تا قیامت خلفاء کا ایک سلسلہ ہوگا۔ جن میں سے ہر ایک خلیفہ نہ صرف ساری قوم کا مطاع ہوگا بلکہ اس کے ہاتھ پر تمام احمدیوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی کونہ میں ہوں بیعت کرنی ضروری ہوگی۔ اور جو بیعت نہیں کریں گے وہ فاسق ہونگے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہ صرف خلفاء کا سلسلہ لازمی نہیں بلکہ چل نہیں سکتا۔ اور کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی تحریریں اس بات پر شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے بعد کسی فرد واحد خلیفہ کی اطاعت کو ضروری قرار نہیں دیا۔ بلکہ اصلی جانشین اور ساری قوم کا مطاع ایک انجمن کو قرار دیا ہے۔" (ضمیمہ پیغام صلح ۲ر اپریل ۱۹۱۴ء)

گویا جماعت احمدیہ میں اختلاف کرنیوالوں نے ۱۹۱۴ء میں **خلافت کے انکار** کی وجہ سے اختلاف کیا تھا۔ اور یہی اُن کے الگ ہونے کی اصل وجہ تھی۔

(۲)

اب زیر غور سوال یہ ہے کہ کیا اس وجہ سے احبابِ فریق لاہور کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں اختلاف پیدا کرنے کا حق تھا؟ اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات مئی ۱۹۰۸ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت ساری جماعت کا متحدہ مسلک کیا تھا اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کی رو سے خلافت کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتی تھی؟ جناب مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے اکابر کی طرف سے ۱۹۰۸ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات کے بعد سب سے **پہلا اعلان** بدیں الفاظ شائع ہوا تھا کہ:-

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے **آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیّت کے مطابق** حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقرباء حضرت مسیح موعودؑ و باجازت حضرت **اُمّ المومنین کل قوم** نے جو قادیان میں

موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سو
تھی والامناقب حضرت حاجی الحرمین الشریفین
جناب حکیم نورالدین سلمہ کو آپ کا جانشین
اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر
بیعت کی۔" (اخبار بدر ۲ر جون ۱۹۰۸ء)

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار بدر نے تحریر فرمایا کہ:-

"حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپ کا
جانشین وہ شخص ہے جس کے جھنڈے
کے نیچے خدا تعالیٰ نے تمام جماعت کو
فوراً جمع کر دیا اور پیشتر اس کے کہ حضرت
اقدسؑ کو دفن کیا جاتا تمام جماعت نے
بالاتفاق حضرت مولوی نورالدین صاحب
کو حضرت مسیح موعود کا خلیفہ مان لیا اور
آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی" (اخبار بدر
۲ر جون ۱۹۰۸ء)

ان اقتباسات سے مولوی محمد علی صاحب کے بیان بالا
مندرجہ ضمیمہ پیغام صلح ۲ر اپریل ۱۹۱۴ء کی خود بخود تردید
ہو جاتی ہے۔

(۳)

۱۹۰۸ء سے لیکر ۱۹۱۴ء تک چھ برس کے عرصہ
تک تمام جماعت احمدیہ جن میں فریق لاہور کے افراد بھی
شامل تھے حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ
کو خلیفۃ المسیح الاوّل مانتی رہی اور اس عرصہ میں
حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ نے مسئلہ خلافت
کے متعلق جو ارشادات فرمائے ان میں سے چند یہ ہیں:-

(الف) "جس طرح ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے
رضی اللہ عنہما اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے
مجھے مرزا صاحبؑ کے بعد خلیفہ کیا"
(اخبار بدر ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء)

(ب) "میں جب مروں گا تو پھر وہی کھڑا ہوگا
جس کو خدا چاہے گا اور خدا اس کو آپ
کھڑا کرے گا۔ تم نے میرے ہاتھوں پر
اقرار کئے ہیں تم خلافت کا نام نہ لو۔ مجھے
خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے اور اب
نہ تمہارے کہنے سے معزول
ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت
ہے کہ وہ معزول کرے۔ اگر تم
زیادہ زور دوگے تو یاد رکھو میرے پاس
ایسے خالد بن ولید ہیں جو تم کو مرتدوں
کی طرح سزا دیں گے"
(اخبار بدر ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء)

(ج) "یہ اعتراض کرنا کہ خلافت حقدار کو
نہیں پہنچی رافضیوں کا عقیدہ ہے۔
اس سے توبہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
ہاتھ سے جس کو حقدار سمجھا خلیفہ بنا دیا۔
جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ جھوٹا اور
فاسق ہے۔ فرشتے بن کر اطاعت و
فرمانبرداری اختیار کرو ابلیس نہ بنو"
(بدر ۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

(د) "اگر کوئی کہے انجمن نے خلیفہ بنایا
ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس قسم کے خیالات
ہلاکت کی حد تک پہنچاتے ہیں تم ان سے
بچو۔ پھر سن لو کہ مجھے نہ کسی انسان نے
نہ انجمن نے خلیفہ بنایا اور نہ میں کسی انجمن
کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے
پس مجھ کو نہ کسی انجمن نے بنایا اور نہ میں
اس کے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس
کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں۔ اور نہ

اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی
ردا (چادر) کو مجھ سے چھین لے۔"
(بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

یہ چار اقتباس بطور نمونہ درج ہیں۔ ان عبارتوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے جماعت احمدیہ میں خلافت کے جاری ہونے، اپنی خلافت کے مرتبہ اور خلیفہ کے معزول نہ کئے جانے کے بارے میں ناطق ارشادات فرمائے ہیں۔

(۴)

ساری جماعت احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت تحریری اقرار کیا تھا کہ:۔

"حضرت مولوی صاحب کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔" (بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء)

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس بیعت کی حقیقت کا الفاظ ذیل میں اعلان کیا تھا کہ:۔

(الف) "خلیفۃ المسیح کی بیعت ہم لوگوں نے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں کی اور اسلئے حضرت خلیفۃ المسیح کے جملہ احکام کو خواہ وہ مسائل کے بارے میں ہوں یا کسی اور بارے میں ان سب لوگوں کے لئے ماننا ضروری ہے جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

(ب) "یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق بڑھانے کے لئے، حضرت خلیفۃ المسیح جیسے پاک وجود کی دعاؤں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اور آپ کے علم و فضل کے آگے سر نیچا کرنے کے لئے تھی۔ اور اسلئے ضروری تھا کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کے سامنے ایک بے جان کی طرح ڈال دے اور اپنی جملہ خواہشات کو اس کے سپرد کر دے۔ نہ یہ کہ مرشد کہتا ہے کہ فلاں بات درست ہے تو مرید کہتا ہے کہ مرشد نے سمجھا ہی نہیں، میں اس کو بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ بیعت کر لینے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کی گستاخی ہے۔ اور بیعت کے مفہوم کے ساتھ ہنسی ہے۔"
(ٹریکٹ "ایک ضروری اعلان" صفحہ ۱۱)

ان حالات میں جناب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے کسی ساتھی کا حق نہ تھا کہ مسئلہ خلافت کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے مسلک سے سرِمو انحراف کرتے اور حضور کی تصریحات کے خلاف سرے سے جماعت احمدیہ میں خلافت کے وجود سے انکار کر دیتے۔ حالانکہ حضرت خلیفہ اوّل مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے متواتر چھ برس تک اس مسئلہ کی وضاحت کے بعد مرض الموت میں بطور وصیت بھی فرمایا تھا جسے خود غیر مبایعین کے اخبار نے شائع کیا تھا کہ:۔

"خلیفہ اللہ ہی بناتا ہے۔ میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا۔"
(پیغام صلح ۲۴ فروری ۱۹۱۴ء)

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اتنی تاکیدات کے باوجود اہل لاہور نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات پر ۱۹۱۴ء میں اس بنا پر جماعت میں تفرقہ پیدا کیا کہ جماعت احمدیہ کا کوئی **خلیفہ ثانی** نہ ہو۔

(۵)

جس غیر اسلامی جمہوریت کے نام پر جناب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جماعت احمدیہ میں سلسلہ خلافت کا انکار کیا تھا اس کا کچھ تجزیہ کرنے کے بعد

مولوی صاحب موصوف اور اُن کے ساتھیوں کو اعلان کرنا پڑا کہ :-

(الف) "پھر مَیں کہتا ہوں کہ نظام کی بنیاد ایک ہی بات ہے کہ اِسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا سُنو اور اطاعت کرو۔ جب تک یہ رُوح نہ پیدا ہو جائے، جب تک تمام افرادِ جماعت ایک آواز پر حرکت میں نہ آجائیں، جب تک تمام اطاعت کی ایک سطح پر نہ آجائیں ترقی محال ہے۔" (خطبہ مولوی محمد علی صاحب مطبوعہ پیغام صلح ۲۷ فروری ۱۹۳۶ء)

(ب) "جب تک عنان ایسے امیر کے ہاتھ میں نہ ہو جس کے ہاتھ پر عملی طور پر تن من دھن کی قربانی کی بیعت کی ہو مستقل اور پائندہ ترقی محال ہے ...... یہ بھی ممکن ہے جبکہ ایک واجب الاطاعت امیر کے ہاتھ میں جماعت کی باگ ڈور ہو۔ تمام افراد اس کے اشارے پر حرکت کریں۔ سب کی نگاہیں اس کے ہونٹوں کی جنبش پر ہوں۔ اور جونہی اس کی زبان فیض ترجمان سے کوئی حکم مترشح ہو سب بلا حیل و حجت اُس پر عمل پیرا ہوں۔" (پیغام صلح ۷ فروری ۱۹۳۷ء)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ ہمارے ان بچھڑے ہوئے بھائیوں پر آخر یہ ثابت ہو گیا کہ جماعتی ترقی کیلئے خلیفہ کا وجود کتنا ضروری ہے۔ جناب مولوی محمد علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے :-

"جب تک جماعت کے لئے کوئی امیر نہیں اُس وقت تک اسکی کا کوئی رستہ بھی نہیں کھلتا۔" (مکتوب چہارم پیغام صلح ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء)

اسی مکتوب چہارم میں جناب مولوی صاحب نے بعض تلخ تجارب کے پیش نظر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ :-

"امیر کی اطاعت فرض ہے۔ مجھ میں ننانوے عیب ہوں گے مگر آپ نے خود اِن ننانوے عیبوں کو ڈھانک دیا اور ان سے چشم پوشی کی۔ جب آپ نے مجھے اپنا امیر بنا لیا۔ اسلئے اب اپنے اقراروں کے بعد میرا ساتھ نہ چھوڑو۔ ورنہ آپ کی مثال ایسی عورت کی ہوگی جس نے کات کر پھر اپنے سُوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اَلَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا۔ حدیث نبوی کو یاد کرلو۔ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اِمَامٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا۔ اگر آپ مجھے فاجر بھی سمجھتے ہیں تو بھی جب تک مَیں اس مقام پر کھڑا ہوں اس جہاد میں جس پر آپ کو امام زمان نے لگایا ہے میرا ساتھ دینا تم پر فرض ہے۔"

(پیغام صلح ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء)

پس فریق لاہور کا جماعت احمدیہ میں خلافت کا انکار دراصل صرف عداوتِ محمود ایدہ اللہ بنصرہ کی وجہ سے تھا ورنہ اصولاً آج بھی ان پر واضح ہے کہ جماعت کی

ترقی ایک واجب الاطاعت امیر یعنی خلیفہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہمارے یہ بھائی اس اتمام حجت کے بعد ہی حق کی طرف رجوع کریں اور جماعتی تفرقہ کے شدید جُرم سے توبہ کریں۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے تو ۱۹۱۴ء میں حلفیہ اعلان کر دیا تھا کہ:-

"مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی۔ اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ مجھے خلیفہ بنا دے۔ یہ اس کا اپنا فعل ہے یہ میری درخواست نہ تھی۔ میری درخواست کے بغیر یہ کام میرے سپرد کیا گیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے کہ اس نے اکثروں کی گردنیں میرے سامنے جھکا دیں۔ مَیں کیونکر تمہاری خاطر خدا تعالیٰ کے حکم کو رد کر دوں۔ **مجھے اُس نے اسی طرح خلیفہ بنایا جس طرح پہلوں کو بنایا تھا۔** گو مَیں حیران ہوں کہ میرے جیسا نالائق انسان اُسے کیونکر پسند آگیا۔ لیکن جو کچھ بھی ہو اُس نے مجھے پسند کر لیا اور **اب کوئی انسان اس کرتہ کو مجھ سے نہیں اتار سکتا جو اس نے مجھے پہنایا ہے۔**"

(رسالہ "کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے" صفحہ ۷)

اس اعلان کی حقانیت کا بیالیس[۴۲] برس تک مشاہدہ کرنے کے بعد اگر کوئی احمدی کہلا کر خلافتِ ثانیہ کا انکار کرتا ہے تو اس کا معاملہ خدا ہی سے ہے۔ و اٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

مسئلہ خلافت اور فریقِ لاہور

فریقِ لاہور نے سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ کی خلافت کا انکار کیا اور اس خلافتِ حقہ کو نیچا دکھانے کے لئے سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹیؒ، مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بیعت لینے کیلئے تین خلیفے مقرر کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت سید حامد شاہ صاحب کو اختلاف کی ابتداء میں ہی خلافتِ ثانیہ کی بیعت کر لی اور جناب مولوی غلام حسن خان صاحب نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں بیعت کر لی اور جناب خواجہ صاحب مرحوم فوت ہو گئے۔ اس طرح خلافتِ ثانیہ کے مقابلہ پر اہلِ پیغام کا قائم کردہ سلسلہ خلافت درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

اس پر ہمارے لاہوری بھائیوں نے غیر احمدیوں کو خوش کرنے اور جماعت احمدیہ کو چڑانے کے لئے سلطان ترکی کی خلافت کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ لیکن جب ترکوں نے خود اپنے ہاتھوں اس قبائے خلافت کو تار تار کر دیا تو ہمارے غیر مبائع بھائیوں کے لئے کوئی مفر نہ رہا۔

کیا اس عملی شہادت سے یہ ثابت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافتِ صادقہ صرف حضرت مرزا محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ کی خلافت ہے۔

مسلمان ماہرین جغرافیہ

(ترجمہ حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب مرحوم)

[حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب مرحوم ناظر دعوۃ و تبلیغ نہایت علم دوست بزرگ تھے۔ رسالہ الفرقان کیلئے ان سے گاہے گاہے انگریزی مضامین کا ترجمہ کرایا جاتا تھا۔ اسلامک ریویو لندن کے ایک پرچہ میں جرمن مستشرق پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم صاحب جرمانوس کا ایک تحقیقی مقالہ "مسلمان ماہرین جغرافیہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ میں نے حضرت مولوی صاحب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو اس مضمون سے شغف ہے اسلئے آپ ہی اس کا ترجمہ فرما دیں۔ آپ نے میری درخواست کو قبول کر کے بیماری کے باوجود اپنے قلم سے ترجمہ فرمایا جو آن کی وفات کے بعد کاغذات سے ملا ہے۔ گویا یہ آپ کا آخری مضمون ہے سوانح خاکہ کے ساتھ یہ مضمون شائع کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کو جنت الفردوس میں ترقی درجات عطا فرمائے۔ اللّٰھمّ آمین یا ربّ العالمین ——— (ایڈیٹر)]

جرمن پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کو بجا طور پر اپنے علماء سلف
کے علوم و فنون پر فخر ہے ایسے اسلاف کے
خلف ہونے کی حیثیت سے کاش وہ اپنا
مقام سمجھیں اور بڑوں کی خوبیوں کے شایانِ
شان اپنا مستقبل پُر عظمت بنائیں۔"

محققین جن کی کتب سے اب بھی استفادہ کیا جاتا ہے سائنس کے جن علوم میں مسلمانوں نے نہایت قیمتی معلومات مہیا کی ہیں ان میں ایک فن جغرافیہ ہے۔ جس کی طرف مسلمانوں کو ادائیگی حج کی وجہ سے توجہ ہوجانا لازمی تھا۔ اسی طرح انکی بڑھتی ہوئی تجارت کے باعث ان کو دوسرے ملکوں کے مشاہدہ و مطالعہ کے مواقع ملتے تھے۔ چنانچہ تاجروں اور عالموں دونوں نے جغرافیائی واقعات اور اپنے اپنے جغرافیائی مشاہدات بیان کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مسلمانوں کا مذہب علم جغرافیہ کی ترقی و اشاعت میں روک نہ تھا۔ وہ ان مغالطوں میں پڑنے سے بچے رہے جن میں عیسائی پڑ جاتے تھے کیونکہ عیسائی اپنی مذہبی کتابوں کو بغیر سوچے سمجھے ماننے پر مجبور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زمین کا گول ہونا نہیں مان سکتے تھے اور نہ زمین کی وسعت کا سائنس کے طریقوں سے اندازہ لگا سکتے تھے مگر اس زمانہ کے مسلمان جغرافیہ دانوں کا ایک لمبا سلسلہ چلتا ہے جن کی کتابیں اس زمانہ میں بھی ایک قیمتی علم کا ماخذ بنی ہوئی ہیں۔ اس شاندار سلسلہ میں پہلے ابن خورداذبہ (Ibn Khurdadbih) ہیں (جن کا زمانہ نویں صدی عیسوی کا پہلا نصف تھا) یہ قدیم ملک میڈیا کے پوسٹماسٹر تھے (میڈیا شمال مغربی ایران کا نام ہے جو چھ سات سو سال قبل مسیح دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ملک تھا) اس ملک کے پوسٹماسٹر کی حیثیت سے انہیں راستوں اور لوگوں کی آمد و رفت کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ اور مسافروں پر کچھ حکومت بھی حاصل تھی ان کی "کتاب المسالک و الممالک" زمانہ حال میں بھی سب سے زیادہ قدیم رہنمائے جغرافیہ سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے نمبر پر ابواسحاق الفریسی ہیں جو استخر میں پیدا ہوئے اور استخری کہلاتے ہیں ان کی کتاب "سفر" ہے جس کو بعد میں ابن حوقل نے ترجمہ کیا ہے۔ اس میں حکومت اور اس کے ہر ضلع کا بیان بہت تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دسویں صدی عیسوی کے مصنف المقدسی ہیں جو بیت المقدس میں ۹۴۶ء میں پیدا ہوئے انہوں نے

اپنی کتاب "احسن التقسیم فی معرفت الاقالیم" میں اپنے مشاہدات نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ دراصل ذیلی منطقہ جات کے علم کا یہ بیان نہایت دلآویز طریق پر کیا گیا ہے۔ مسلمان محققین میں ایک اعلیٰ پایہ کے مصنف "یاقوت" ہیں جو ۱۲۲۹ء میں فوت ہوئے یہ جغرافیہ کے سب سے بڑے استاد خیال کئے جاتے ہیں۔ اصل میں وہ یونانی نسل سے تھے جو گرفتار ہو کر بغداد کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت ہوئے تھے جو انہیں تجارتی سفروں پر بھیجا کرتا تھا۔ آزاد ہوئے تو اپنے طور پر سفر کرتے رہے جب تاتاری خوارزم میں داخل ہوئے تو وہ وہاں سے ایسی عریاں حالت میں بھاگے جیسے کہ قیامت کے دن قبر سے اُٹھے ہوں۔ اس نے اپنے علم کو کتاب معجم البلدان لکھکر ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ جغرافیہ کے علاوہ اس کو علم ادب سے بھی شغف تھا چنانچہ جہاں معجم البلدان مرتب کی وہاں معجم الادباء بھی ترتیب دی ہے۔

مسلمان جغرافیہ دان اور ان کے معاصر عیسائی جبکہ مسلمان علمائے جغرافیہ قدیم یونان کے مصنفین سے اپنے علم کو بڑھا رہے تھے اسوقت عیسائی علماء زمانہ وسطیٰ کی لاطینی تصانیف پر اپنے علم کا انحصار رکھے ہوئے تھے اور ان کے بڑے سے بڑے عالم کے سامنے صرف پلائنی (Pliny) اور اس کے شاگرد تھے جو بجائے علمی (Scientific) مشاہدات کے اپنے سامعین کو صرف خیالی قصے سُنا دیتے تھے۔ اُس زمانہ میں ان مغربی ممالک کے علوم سائنس پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ہاتھ میں تھے۔ اور یہ مذہبی رہنما مذہبی باریکیوں میں پڑے بال کی کھال نکالنے میں مصروف تھے۔ ان کو صحیح علمی تحقیقاتوں کی فرصت نہیں تھی [1] سائنس میں تحقیقات کرنے کو وہ تقدس سے بھر جانے کے برابر سمجھتے تھے اور یہی پسند کرتے تھے کہ قدرت کے کاموں میں غور کرنے کی بجائے مافوق الفطرت طاقتوں کی طرف انہیں منسوب کر کے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ لوگوں کو پڑھاتے تھے کہ فرشتے ستاروں کو پکڑے ہوئے آسمان میں اِدھر اُدھر پھراتے ہیں جس کے باعث دن رات اور سورج چاند گرہن ظاہر ہوتے ہیں۔ زمین کے گول ہونے کے متعلق کوئی مذہبی عالم اظہار رائے کی طرف مائل نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کو یہ پڑھاتے تھے کہ زمین اس کرد کے سمندر میں ایک بڑے گھنٹے کی طرح اُبھر آئی ہے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ زمین ایک چپٹے گول پہیئے کی طرح ہے جس کے دہرے کی جگہ پر بیت المقدس واقع ہے۔ یا وہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ زمین ذوار بعۃ الاضلاع شکل کی ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کشتی عہد نامہ (Covenant) کے لئے بنائی وہ زمین کی شکل کے نمونہ پر تھی۔ ان کو یقین تھا کہ جنوب کے ملک شدت گرما کے باعث آبادی کے قابل نہیں ہیں اور وہ اس یقین پر پندرھویں صدی عیسوی تک قائم رہے۔

ادریسی و ابن بطوطہ

جب عرب کی سلطنت عالم کو وسعت ہوئی تو مسلمانوں کا زمین کے متعلق علم مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بھی بہت بڑھ گیا۔ بارھویں صدی عیسوی میں ادریسی کا بحیرہ شمالی کے جزائر فارو (Faroe Islands) کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ یورپ کے انتہائی شمال میں واقع ہیں۔ وہ آئرلینڈ کا بھی ذکر کرتا ہے نارس (Nordic) کے قصوں میں اس طرح بیان کیا جاتا تھا کہ گویا وہی امریکہ ہے جہاں وائیکنگس (Vikings) نے تین نوآبادیاں قائم کی تھیں۔ عرب مسافر ترکستان سے اوپر شمال کی طرف دریائے والگا سے آگے بحیرہ بالٹک تک پہنچ گئے تھے۔ ان علاقوں میں عربوں کے سکے کثرت سے ملے ہیں۔

[1] یہی حال آجکل مسلمان علماء کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ صرف خدا نکات بیان کرتے تھے یہ افتراقات ڈلواتے ہیں۔ مترجم

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجروں کا کاروبار نہ صرف ہاں ہو رہا ہے۔ بلکہ ان کی تجارت کا تعلق ناروے تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عرب سکّے جن پر کوفی legends ہیں آئس لینڈ تک ملے ہیں۔ یاقوت نے شلیسوگ اور ناروے کے شہر برجن کا ذکر کیا ہے۔ ادریسی کو ڈینمارک، ناروے، سویڈن اور فنلینڈ کا بھی علم تھا۔ اس نے ان دور دراز ملکوں کا علم خود اصل منبعوں سے سسلی کے پہلے بادشاہ روجر دوم کے دربار میں حاصل کیا تھا۔ جس بادشاہ کا زمانہ ۱۱۳۰ء سے ۱۱۵۴ء عیسوی تک رہا ہے۔ بحیرہ بالٹک کو عرب جغرافیہ دان وارنگ یا وارگ کہتے تھے۔ جس پر نارمن مجوز حملہ کرتے تھے۔

البکری (Albakri) کی ضخیم کتاب جغرافیہ میں ایک اقتباس یاقوت کے بیٹے ابراہیم کی رپورٹ سے دیا گیا ہے۔ ابراہیم کو خلیفہ قرطبہ نے شہنشاہ آٹو اعظم کے دربار میں بھیجا تھا جس کا دورِ حکومت ۹۳۶ء سے ۹۷۳ء تک رہا ہے۔ اس رپورٹ میں جرمنی اور سلیونک ممالک کا ذکر ہے۔ "مسلم ڈائجسٹ" ڈربن کے ماہِ ستمبر کے نمبر میں ایم۔ ڈی۔ ڈبلیو جیفریز نے واقعاتی شہادت کے ساتھ ایسے قرائن کا اظہار کیا ہے کہ عربوں نے بحرِ اوقیانوس کو عبور کر لیا تھا۔ سوویٹ روس کے شمال مشرق میں بیشمار عرب سکّے نکلے ہیں اور دریائے اِرٹِس اور اوب کے سنگھم پر کھدائی میں دھات سے بنے ہوئے آئینے نکلے ہیں۔ جن میں بغداد کے کاریگروں کے ٹریڈ مارک ہیں۔ ابن بطوطہ نے جس نے ۱۳۷۷ء میں وفات پائی سب سے زیادہ فاصلے طے کئے ہیں۔ اپنے وطن تنجیر سے وہ چین تک گیا اور کتّوں کی گاڑیوں میں بیٹھ کر وہ روس کے انتہائے شمال کے جنگلوں میں پھرا ہے اور نہایت صحت کے ساتھ شمال میں موسم گرما کے لمبے لمبے دنوں

کے اسباب بیان کرتا ہے۔ عرب جہازرانوں کو جاپان اور جزیرہ میڈگاسکر کو رخ طائرانہ سے دیکھنے کا مقام بتلاتے ہیں۔ جغرافیہ دان عربوں نے دریائے سینی گال اور دریائے نائجر کے درمیان کے حبشی ممالک کا بھی ذکر کیا ہے۔ بحرِ اوقیانوس کے جزائر کناری سے وہ واقف تھے اور ٹینرف (Zenerife) انہوں نے دیکھا تھا۔

ابو الفدا

خلیفہ مامون رشید نے جن کی وفات ۸۳۳ء میں ہوئی Ptolemy کی کتاب Syntasus کا ترجمہ کرایا جس کا نام المحیط تھا۔ عربوں کو یقین ہو گیا کہ زمین ایک کرّہ ہے جو کائنات کے مرکز میں تیرتا ہے۔ ابو الفدا جن کا انتقال ۱۳۳۱ء میں ہوا ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں میں سے ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف روانہ ہوں اور چلتے رہیں تو انجام کار وہ آپس میں مل جائیں گے۔ لیکن جو یورپ کی طرف چلا ہے وہ اپنے ملنے کی جگہ ایک دن پہلے پہنچے گا۔ ۱۵۵۲ء میں یعنی ابو الفدا کی وفات کے ۲۲۱ سال بعد جب یورپ کا پہلا جہاز مغرب کی طرف سے کرۂ ارض کے گرد گھوما تو جہاز کے روزنامچہ سے معلوم ہوا کہ ایک دن غائب ہو گیا ہے۔ اس وقت کے عقلمند سے عقلمند آدمی بھی اس معمہ کو حل نہ کر سکے۔

مامون رشید نے پیمائش کے لئے ایک نیا پیمانہ جاری کیا جو ایک حبشی خنثے کے ہاتھ کے برابر تھا۔ اسلئے اس کو "پیمانہ سیاہ" کہا جاتا تھا۔ اس کی لمبائی ۵۴ سینٹی میٹر تھی۔ مامون رشید نے ایسے چار ہزار سیاہ پیمانوں کا ایک میل مقرر کیا۔

اس حساب سے بذریعہ سورج گھڑی جغرافیائی درجہ ½ ۵۱ میل نکلا۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ جب زیادہ صحیح طریقے معلوم ہوئے اور حساب لگایا گیا تو اس میں صرف ½ میل کی غلطی نکلی۔

جگہوں کا صحیح مقام معلوم کرنا مسلمانوں کیلئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ تاکہ وہ قبلہ کا رُخ یعنی کعبہ کی سمت مقرر کرسکیں۔ کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ نور کی شعاعیں کعبہ سے ہر طرف جاتی ہیں لیکن ان کو یہ بھی علم تھا کہ اگر کرۂ ارض کے دوسری طرف ٹھیک کعبہ مقابل جگہ پر کھڑا ہو جائے تو اس جگہ کو جدھر بھی رُخ کریں گے وہ کعبہ ہی کی طرف ہوگا۔

زرقالی

رکاّ (Rakka) بغداد۔ اینٹی اوچ (Antioche) دمشق اور ٹالیڈو میں ہیئت کے مشاہدات کئے گئے اور ان کے نتائج کا مقابلہ کرکے مختلف خطوط ناس مقرر کئے۔ مغربی لوگوں کے آرذی چل (Arzechel) یعنی زرقالی نے جو ٹالیڈو کا رہنے والا تھا سنہ ۱۰۸۰ء میں بیان کیا کہ ٹالیڈو کی دوپہر سے بغداد کی دوپہر تین گھنٹے چھبیس منٹ پہلے ہوتی ہے۔ کیونکہ ٹالمی کو اوڈانن سے جو غالباً ہندوستان او جین تھا ٹالیڈو چار گھنٹے چھ منٹ مغرب کی طرف تھا۔

زرقالی نے تقریباً بالکل صحیح صحیح لمبائی بحیرہ روم کی اپنے نظری مشاہدات سے معلوم کر لی تھی۔ اور اسی طرح ابوالحسن ایک مراکش کے رہنے والے نے مغربی افریقہ سے لے کر اسکندریہ تک چونتیس مقامات کے فاصلے معلوم کئے تھے۔ اس نے تیرھویں صدی میں بحیرہ روم کی لمبائی اسی طرح ناپی تھی جس میں بعد کی پیمائش سے جو یورپین لوگوں نے نئی ایجاد شدہ دوربینوں کے ذریعہ کی صرف دو درجہ کا فرق پڑا۔ یہ کس قدر غیر معمولی بات ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں نے صرف سورج کے مشاہدات سے اس قدر صحت کے ساتھ فاصلے معلوم کر لئے تھے۔ اور ان کے معلوم کرنے کے چار سو سال بعد نئے آلات سے اس فاصلہ کو ناپا گیا تو تقریباً صحیح ثابت ہوا۔

البیرونی

البیرونی نے (جن کی وفات سنہ ۱۰۳۰ء میں ہوئی) ہندوستان کا جزیرہ نما شکل میں ہونا معلوم کیا تھا۔ جو ٹالمی کے نقشے پر بالکل چھپا ہوا ہے۔ البیرونی اپنے ہمعصروں سے عام علم میں بڑھا ہوا نہیں تھا۔ بلکہ اس کی کتاب تاریخ اقوام و ہندوستانی (Chronology) ہندوستانی فلسفہ اور سائنس کی کان بنی ہوئی ہے جو اس کے مشاہدات اور علوم کو اس قدر صحت اور فیاضی سے بیان کرتی ہے کہ اس قدر صفائی کبھی دیکھی نہیں گئی۔ تاوقتیکہ سترھویں صدی عیسوی میں انگریز عالموں نے آکر پھر صدیوں پہلے معلوم کی ہوئی علمی باتوں کو پھر از سرِ نو معلوم کیا۔ اس نے سنسکرت پڑھی تھی اور یونانی فلسفہ و سائنس عربی زبان میں ترجموں سے حاصل کیا تھا۔ اس نے لکھا کہ ایشیا میں سب سے زیادہ بلند چوٹی پہاڑ کی تبت کی حدود میں ہے۔ اور یورپ میں الپس پیرینیز ہیں جو مغرب مشرق کی سمت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس کے خیال میں یہی کرۂ ارض کی ریڑھ کی ہڈیوں کی طرح ہیں۔

مسعودی اور قزوینی

مسلمانوں کے ملکوں میں کوہ آتش فشاں نہیں تھے

مگر مسعودی ڈیماوینڈ (Demawend) کا ذکر آتش فشاں پہاڑ کی طرح کرتا ہے اور عرب جہاز رانوں نے نیوزی لینڈ کے قریب جزائر سنڈا (Sunda Islands) کی نسبت لکھا ہے کہ یہ آتش فشانی جزائر ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابل نوٹ ہے کہ گو عرب عام طور پر آتش فشانوں کے تعمیری کام کی طرف متوجہ نہ تھے۔ ان کے نزدیک آتش فشانی بطور سزا کے واقع ہوتی تھی۔ لیکن اپنے تجربہ اور گہرے مشاہدہ سے انہوں نے اس عام رجحان اور عقیدہ کے ہوتے ہوئے لکھا ہے کہ زمین کی سطح ایک ہی حالت پر نہیں رہتی ہے۔ انہوں نے سمندر کی سطح کی نسبت لکھا ہے کہ لکادیو کے قریب سمندر کی سطح اس سطح سے مختلف ہے جو سطح مالدیو جزائر کے قریب ہے مسعودی نے یہ عظیم الشان بیان بھی دیا ہے کہ کرہ ارض کی لمبی تاریخ میں کوئی براعظم پانی کے نیچے ڈوب جاتا ہے اور کوئی سمندر اوپر ابھر کر خشک ہو جاتا ہے اور خشکی اور تری ایک ہی حالت میں نہیں رہتی ہے۔ اور دریاؤں کی بھرتی اپنے ڈیلٹاؤں کو پُر کر کے زمین بنا دیتی ہے۔ جو شہر پہلے سمندر کے ساحل پر ہوتے ہیں وہ دریاؤں کی اس بھرتی سے اندر خشکی میں سمندر سے دور چلے جاتے ہیں۔ مسعودی دجلہ اور فرات کی بھرتی دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا تھا جہاں Hira شہر تین سو سال کے عرصہ میں بالکل خشک زمین میں گھر گیا تھا۔ قزوینی تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا ہے۔ اس نے اس وقت اس بات کو سمجھ لیا تھا جو اب حال میں سمجھی گئی ہے۔ کہ دریا اور ہوائیں آہستہ آہستہ پہاڑیوں کو نیچے زرخیز میدانوں پر لا کر ان کو بلند کر دیتی ہیں۔ قزوینی نے ایشیا میں شمالی ہواؤں کے خشک اور جنوبی ہواؤں کے مرطوب ہونے کے اسباب بھی بیان کئے کہ اول الذکر تو ریگستانوں سے ہو کر آتی ہیں۔ اور ثانی الذکر سمندر سے آتی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب بخارات آبی سے بھری ہوئی ہوائیں بلند پہاڑوں سے ٹکراتی ہیں تو پھر وہ مینہ برساتی ہوئی نیچے اترتی ہیں اور یہی موسمی بارشیں کہلاتی ہیں۔ مانسون (Monsoon) بھی دراصل عربی لفظ موسم سے بنا ہے۔ مسعودی نے اس کی بھی تشریح کی ہے کہ کیوں سمندری پانی جب بخارات کی صورت میں آ کر برستا ہے تو نمکین نہیں ہوتا۔ اس نے بتایا ہے کہ پانی جب بخار بن کر اٹھتا ہے تو نمک یعنی کثافتیں نیچے چھوڑ جاتا ہے۔ اس طرح قزوینی نے ہی سب سے پہلے ایک طبعی امر کی تشریح کیمیاوی بنیاد پر رکھی ہے۔ اس کے بعد اب تو کیمیاوی بنیادوں پر بہت سے طبیعی امور کی تشریح کی جاتی ہے مسلمانوں کو اس کا علم تھا کہ گرمی سے اجسام پھیلتے اور ان کا وزن مخصوص کم ہو جاتا ہے۔

مسلمان جغرافیہ دانوں کے اس قدر جغرافیائی مشاہدات کے ہوتے ہوئے ان کی چند خیالی اور وہمی باتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا مشاہدات کے برعکس مسلمانوں کا خیال یہ نہ تھا کہ سورج کی گرمی بلندی کے ساتھ کم ہوتی ہے[1]۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ان پہاڑیوں پر جو خط استوا کے قریب ہیں زندگی ناممکن ہے۔ وہ پرانے زمانے کے مانے ہوئے منطقوں کے قائل اور ان سے اوپر زندگی کے قیام کو ناممکن خیال جانتے تھے۔ ان کے نزدیک منطقوں کا خیال کچھ عجیب سا تھا جس سے وہ جنوبی ممالک کو نقشہ پر ظاہر کرتے ہوئے مشرق کی طرف لیجاتے تھے۔ افریقہ کے ساحل کو مشرق

[1] یہ اصل بھی ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ حال کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ۲۵ ہزار فٹ سے اوپر بجائے گھٹنے کے گرمی بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔ (مترجم)

کی طرف بڑھتی ہوئی لکیروں سے ظاہر کرتے تھے بجائے اوپر سے نیچے آنے والے خطوط کے۔ ان میں بعض ان خیالات کے برعکس یہ سمجھتے تھے کہ کھجور کا درخت ہندوستان اور چین میں نہیں ہوتا ہے۔ اصطخری کہتا ہے کہ بلخ میں نارنگیاں اور گنا بکثرت پیدا ہوتا ہے لیکن کھجور کا درخت وہاں نہیں ہوتا۔ کیونکہ سردیوں میں برف پڑتی ہے۔ ۱۳۳۱ء میں ابوالفداء کہتا ہے کہ انگلستان شمال کی طرف انگور پیدا ہونے کی حد سے گزر گیا ہے۔ مسلمان سائنس کے علوم کے علاوہ چونکہ تجارت کو بھی بڑھاتے تھے انہوں نے جغرافیہ کے ضمن میں بہت سی اقتصادی طور پر قیمتی معلومات مہیا کی ہیں۔ خود انسانی نسلی معلومات کے علاوہ مقامی نباتاتی و حیوانات معلومات بھی مہیا کی ہیں۔

اگر زمانہ وسطیٰ میں مسلمانوں کو وہ تمام علوم حاصل نہ تھے جو بعد از ان یورپ کو حاصل ہوئے تو اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک کے آلات ناقص تھے۔ نہ یہ کہ خود مسلمانوں کے مشاہدات میں نقص اور ان میں وسعتِ نظر نہ تھی۔ یورپین لوگ مسلمان سیاحوں کی کتابوں سے بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ مسعودی پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے سجستان (Sijistan) میں ہوا سے چلنے والی چکی کا بیان کیا ہے اور ادریسی نے ٹالیڈو اور الامدان کی (Cinnaban) کی کانوں میں موروں کے پانی کے نلوں اور پانی اوپر کھینچنے کے آلہ (پمپ) کا ذکر کیا ہے۔ نیز اس نے مفصل بیان دیا ہے کہ شمالی مغربی افریقہ میں پارہ کے ذریعہ سونے کو دھو کر کس طرح دوسری دھاتوں سے جدا کرتے ہیں۔ اس نے پرندوں کی بیٹ سے بنائی ہوئی کھاد کا بھی ذکر کیا ہے جو انگوروں اور کھجوروں کی کاشت میں کام آتی ہے۔

ان تمام قیمتی علمی (Scientific) مشاہدات سے ان خیالی اور وہمی بیانات کا ازالہ ہو جاتا ہے جو زمانہ وسطیٰ میں ان کی رپورٹوں میں کسی طرح داخل ہو گئے ہیں۔ اور جو اب تک مغربی لوگوں کے دماغوں میں چلے جا رہے ہیں۔ بعض مذہبی محرکات معصوم توہمات کے پیدا ہونے کا سبب بن جاتے ہیں مثلاً قزوینی کہتا ہے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کا رحم ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بارش کو غیر آباد علاقوں پر نہیں برسنے دیتا ہے بلکہ بارشیں آباد اور زرخیز کھیتوں پر بھیجتا ہے۔

اہلِ مغرب نے مسلمان ماہرین جغرافیہ کی قدر صدیوں پیچھے شناخت کی ہے۔ ولہیلم پوسٹل (Wilhlm Postell) پہلا شخص ہے جس نے اپنی کتاب Cosmographia جو بیسل Basle میں ۱۵۶۱ء میں شائع ہوئی ابوالفداء سے استفادہ کیا ہے اور یاقوت کا نام Jacob Gronovus پہلے پہل اپنے علمی لیکچر میں بطور ماخذ کے لیا ہے جو لیکچر لیڈن میں ۱۷۰۱ء میں دیا تھا۔

غرض مسلمانوں کو بجا طور پر اپنے علمائے سلف کے علوم و فنون پر فخر ہونا چاہیئے۔ ایسے اسلاف کے خلف ہونے کی حیثیت سے کاش وہ اپنا مقام سمجھیں اور بڑوں کی خوبیوں کے شایانِ شان اپنا مستقبل پُرعظمت بنائیں۔ آمین

فقط

آپ کا فرض ہے کہ رسالہ کا سالانہ چندہ خود بخود ادا فرمائیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

ذوالقرنین

قرآنی بیان کی تائید میں ایران کے آثارِ قدیمہ کی شہادت

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب لائل پوری۔)

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر میں بڑی تفصیل سے یہ نظریہ پیش کیا ہے۔ کہ ذوالقرنین کے متعلق قرآنی بیان شہنشاہ میدیا و فارس خورس پر صادق آتا ہے جس کا زمانہ چھٹی صدی قبل مسیح ہے یہ بات عجیب ہے کہ اس زمانہ کے جو آثارِ قدیمہ ایران سے برآمد ہوئے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ذوالقرنین سے مراد خورس یعنی سائرس ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" میں سب سے پہلے ایران کے اِن آثارِ قدیمہ کی طرف توجہ دلائی اور بعض قیمتی معلومات درج کی ہیں۔ اب چونکہ ایران کے آثارِ قدیمہ زیادہ سے زیادہ برآمد ہو چکے ہیں اس لئے اس تحقیق کو آگے بڑھانا مقصود ہے۔ اس سلسلہ میں وسیع تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس خیال کے پیشِ نظر کہ شاید یہ "سعئ ناتمام" کامل تحقیق کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ آثارِ قدیمہ کی بعض شہادتیں درج ذیل ہیں:۔

اِس سلسلہ میں سب سے پہلی شہادت سائرس کے مجسمہ کا انکشاف ہے۔ پہلے پہل ۱۸۲۰ء میں جیمس موریہ نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا۔ یہ سنگی تمثال جو کہ اصطخر (Pasargadae) کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ قدیم سنگ تراشی کی صناعی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس مجسمہ پر تین زبانوں یعنی قدیم فارسی، بابلی اور عیلامی میں یہ کندہ ہے کہ "میں سائرس ہخامنشی خاندان کا ایک بادشاہ ہوں۔ اس مجسمہ میں سائرس کے چار عقابی پر دکھائے گئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ ایک سینگ چھوٹا اور دوسرا بڑا ہے۔ ان سینگوں پر مخروطی شکل کے تین تاج رکھے ہوئے ہیں جو کہ غالباً اس کی سلطنت کے تین بڑے حصوں فارس، میدیا اور عیلام کی حکمرانی کے نشانات ہیں۔ سائرس اپنا ہاتھ بلند کر کے ایک فرمان پڑھ رہا ہے۔ اس فرمان کا طومار اسکے ہاتھ میں کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ سائرس کی شکل نہایت خوبصورت آرین خط و خال کو ظاہر کرتی ہے۔ چھوٹی سی ریش اور کندھوں پر بال ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فرشتہ آسمان سے اُتر کر زمین پر ایک قدم آگے بڑھا کر کھڑا ہے[1] اس سنگی تمثال کے گہرے مطالعہ کے لئے دانیال نبی کے کشف اور یسعیاہ نبی کی بشارات کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے۔

[1] اس مجسمہ کے عکس اور تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو R. Ghirshman کی کتاب "Iran" مطبوعہ ۱۹۵۴ء (پیلیکن کمپنی) صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵، فوٹو پلیٹ نمبر (a) 15۔ و ہسٹری آف پرشیا از سائیکس۔

دانیال نبی کے کشف میں جو کہ انہوں نے بابل کی اسیری کے زمانہ میں دیکھا تھا ایک ایسی فارسی بادشاہت کے قیام کا ذکر ہے جسے دو سینگوں والی بادشاہت سے تعبیر کیا گیا۔ (ذوالقرنین کے معنی بھی دو سینگوں والے کے ہیں) چنانچہ لکھا ہے:-

"مَیں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ندی کے کنارے
ایک مینڈھا کھڑا ہے۔ جس کے دو سینگ
ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک
دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے
پیچھے نکلا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ پچھم، اُتر اور
دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے۔ یہاں تک
کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا
اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔"

پھر اس کے بعد ہے کہ جبرئیل نمایاں ہوا۔ اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی۔ کہ دو سینگوں والا مینڈھا میدیا اور فارس کی بادشاہت ہے۔ (دانیال ۸ باب)

اس کشف میں میدیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی۔ صحفِ سابقہ میں سینگ سے مراد قوت و طاقت اور بادشاہت ہے۔ دو سینگوں والے مینڈھے کی تعبیر صاف ہے۔ کہ مادہ و فارس کی متفرق طاقتیں ایک تاج کے نیچے جمع ہو جائیں گی۔ اور اس طرح ایک عظیم سلطنت منصۂ شہود پر آ جائے گی۔

دانیال نبی کے اس کشف کو خورس نے حرف بحرف پورا کر دیا۔ اس نے مادہ اور فارس کی مملکتوں کو ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی۔ (اس تاریخ سے ایک نیا سن خورس اعظم کے نام سے جاری ہو گیا) اور مشرق و مغرب میں اس کی فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ سائرس کے مجسمہ میں اس کے سر پر دانیال نبی کے کشف والے دو سینگ (ایک چھوٹا ایک بڑا) دکھائے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائرس کو جس کے زمانہ میں یہ مجسمہ کھڑا کیا گیا خود بھی یہ یقین تھا کہ دانیال نبی کی پیشگوئی کا مصداق میں ہی ہوں۔ اور باشندگانِ فارس میں بھی اس کا لقب ذوالقرنین (دو سینگوں والا) مشہور تھا۔

دانیال نبی نہ صرف سائرس کا ہمعصر تھا بلکہ اپنی نیکی، تقویٰ، دیانت داری اور غایت درجہ ذہانت کی وجہ سے اس کی سلطنت میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز تھا۔ دانیال کی کتاب ہی میں ذکر ہے کہ بابل کی فتح کے بعد دانیال سائرس کی حکومت میں اس کے چچا دارا مادی کے تحت تین وزیروں میں سے ایک بڑے وزیر کے عہدہ پر ترقی پا چکا تھا[۱] بابل کی فتح پر جلاوطن یہود نے جو کہ اس علاقہ میں لا کر بسائے گئے تھے دانیال کی سرکردگی میں سائرس کا شاندار استقبال کیا۔ سائرس نے دانیال کی نہایت توقیر کی اور اسے دربار میں ایک ممتاز مقام حاصل ہوا۔

بابل کی فتح کے بعد دانیال نہایت درجہ مضطرب اور بے چین نظر آتا ہے۔ وہ یرمیاہ نبی کی پیشگوئیوں پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان بشارات کے عین مطابق بابل سائرس کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ اب وہ وقت بھی قریب ہے جس کی خبر یرمیاہ نے دی۔ کہ یہود ارضِ کنعان میں دوبارہ بسائے جائیں گے۔ اور وہ بحال ہوں گے۔ چنانچہ دانیال انہی خیالات میں ڈوبا ہوا پرسوز دعاؤں میں مشغول ہو گیا۔ جبرائیل ظاہر ہوتا ہے۔ اُسے تسلی دی گئی کہ یروشلم کی دوبارہ تعمیر کا حکم نکلنے والا ہے[۲]۔

---

[۱] دانیال ۶/۲۸،۲ و تاریخ بائبل از ولیم جی بلیکی اردو صفحہ ۳۹۱ و صفحہ ۳۹۲

[۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دانیال ۹ باب و بائبل ڈکشنری از جان۔ ڈی ڈیوس زیرِ لفظ "دانیال"

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ دانیال نبی نے سائرس کو اپنے کشوف کے علاوہ یرمیاہ نبی اور یسعیاہ نبی کی وہ پیشگوئیاں پڑھ کر سنائیں جن میں ایک ایسے نجات دہندہ کا ذکر تھا جو مادہ و فارس کے دو سینگوں کو ملانے کے بعد یہود کو جلا وطن کرنے والی بابلی طاقت کو نیست و نابود کرنیوالا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں یہودیوں کی بحالی کا دور شروع ہونے والا تھا۔ ان بشارات میں سائرس کو نجات دہندہ اور "مسیحا" کہا گیا۔[1]

انہی پیشگوئیوں سے متاثر ہو کر اور پھر اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر جس میں یہودی بحالی اور یروشلم میں ہیکل کی دوبارہ تعمیر کا حکم تھا۔ سائرس نے عام منادی کرادی۔ کہ یروشلم میں ہیکل دوبارہ بنایا جائے گا۔ بخت نصر ہیکل کا جو مال و متاع لوٹ کر لے گیا تھا وہ واپس ہوگا۔ یہود اپنے وطن میں بحال ہوں گے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کیا گیا۔ چنانچہ یہود پر ایک نیا گورنر انہی کی قوم میں سے مقرر کر دیا گیا۔ عزرا کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اسلئے ہوا تاکہ:-

"خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا
پورا ہو" (عزرا پہلا باب)

اس تفصیل سے ظاہر ہے۔ کہ ذوالقرنین دانیال کے دو سینگوں والے کشف اور انبیاء کی پیشگوئیوں سے خوب واقف تھا۔ جس میں اسے نہ صرف ذوالقرنین (دو سینگوں والا) قرار دیا گیا بلکہ مشرق سے آنے والا عقاب کہا گیا۔ اسے نجات دہندہ، مسیحا، اور خدا کا بھیجا ہوا چرواہا قرار دیا گیا۔ جس کے لئے مقدر تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی دشمن طاقتوں کو نیست و نابود کر کے ان کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کے بعد ان کو ان کے وطن عزیز میں بحال کر دے۔ سائرس نے ساری

[1] یرمیاہ ۲۲/۱۳،۱۱، ۲۹/۱۰، ۵/۱۔ یسعیاہ ۴۴ باب آخری حصہ، ۴۵ باب، مزید تفصیل کیلئے تاریخ بائیبل از ولیم جی بلیکی (اردو) ص ۳۹۱، ص ۲۹۲ ملاحظہ ہو۔

سلطنت میں منادی کرادی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت بنی اسرائیل بحال کئے جاتے ہیں تو ان پیشگوئیوں کی شہرت فارسیوں میں بھی پھیل گئی۔ بنی اسرائیل تو خوب سمجھتے تھے کہ ان کی آزادی و خوشحالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ ہے جو سائرس نے قائم کی۔ وہ سائرس کو بجا طور پر ذوالقرنین سمجھتے تھے۔ اب باشندگان فارس میں بھی اس لقب کا چرچا شروع ہوا۔ ان کے لئے یہ ایک پسندیدہ نام تھا جو کہ تاریخی پس منظر کا حامل بھی تھا چنانچہ جب سائرس نے اپنی ایک فتح کی یادگار میں "پاسرجادائی" (یعنی جادۂ پارسیاں) نام کا شہر بسایا اس میں ایک شاندار محل تیار ہوا۔ جس کے شمالی حصہ میں سائرس کا مجسمہ کھڑا کیا گیا[1] جو کہ آج بھی وہیں ایستادہ ہے۔ اس مجسمہ کی صناعی میں انبیائے بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں کو مدنظر رکھا گیا۔ سائرس کے سر پر دانیال نبی کے کشف کے مطابق دو سینگ نمایاں کئے گئے۔ ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ ان سینگوں پر فارسی حکومت کا تاج رکھا گیا۔ اور یسعیاہ کی بشارت کے مطابق عقاب کی طرح سائرس کے پر نکلے ہوئے دکھلائے گئے۔ اس مجسمہ کے تاریخی پس منظر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہود

[1] اس سنگی تمثال کے قریب جوار میں بعض دوسرے آثار بھی ملے ہیں یعنی سائرس کی قبر جو کہ ممی شدہ لاش سے خالی ہے قریب ہی واقع ہے۔ ایک محل کی عمارت پر قدیم فارسی، بابلی اور عیلامی زبان میں سائرس کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ خود کو "شاہ اعظم" کہتا ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ کتبہ میدیا کی فتح کے بعد حیطۂ تحریر میں لایا گیا۔ اس محل کے بعض ستونوں پر سائرس کی تصاویر بنائی گئی ہیں۔ جن میں بادشاہ عصائے سلطانی لئے کھڑا ہے۔ اس کی آنکھوں اور لباس کے بعض حصوں پر طلائی مرصع کاری کی گئی ہے۔ الغرض پاسرجادائی کے یہ آثار اور دوسرے آثار نہایت قابل قدر ہیں۔ ان میں سے بعض ایرانی صناعی کا نادر نمونہ ہیں۔ ان آثار کو دیکھ کر ایرانی آرٹ اپنے کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ایران" از گرشمین ص ۱۳۴ تا ص ۱۳۶)

کے علاوہ باشندگانِ فارس میں بھی سائرس ذوالقرنین کے لقب سے مشہور ہوچکا تھا۔ بلکہ اسے خود بھی یقین تھا۔ کہ وہ ان پیشگوئیوں کا مصداق ہے اور وہی ذوالقرنین ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی ہیں یہ مجسمہ کھڑا کیا گیا۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے بھی ذوالقرنین کے خطاب سے یاد کیا۔ (قلنا یاذا القرنین) چنانچہ اس کا یقین حق الیقین میں بدل گیا۔ جب اُسے اللہ تعالیٰ نے بھی اس لقب سے ملقب کر دیا۔ یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سائرس پر الہام نازل ہوتا تھا جس میں اس کا نام لیکر بھی اسے پکارا جاتا اور ایک عزت کے خطاب سے بھی یاد کیا جاتا۔ یہ خطاب صحفِ سماوی میں درج نہیں لیکن قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ اسے ذوالقرنین کے خطاب سے اللہ تعالیٰ نے مخاطب کیا۔ حضرت یسعیاہ نبی کی بشارت جس سے قرآن مجید کے بیان کی تائید ہوتی ہے درج ذیل ہے :۔

"خداوند اسرائیل کا فدیہ دینے والا یوں فرماتا ہے کہ مَیں ہی خداوند سب کا بنانے والا ہوں .... یروشلم کو کہنے والا کہ تو تعمیر کی جائے گی اور یہودا کے شہروں کو کہ تم بنائے جاؤ گے .... خورس کو کہنے والا کہ تو میرا چرواہا ہے۔ اور سب کچھ جو مَیں چاہتا ہوں تو پورا کرے گا۔ اور یروشلم کو کہنے والا کہ تو بنائی جائے گی۔ اور ہیکل کو کہ تیری بنیاد ڈالی جائے گی۔ خداوند اپنے مسیح خورس کو یوں فرماتا ہے .... کہ مَیں نے اپنے بندے یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کی خاطر تجھ کو تیرے نام اور تیرے خطاب سے بُلایا ہے۔" (یسعیاہ ۴۴: ۲۴ تا ۲۸ و ۴۵: ۱ تا ۴)

اُردو تراجم میں خطاب کا ذکر نہیں ہے۔ بائیبل کے لاطینی ترجمہ ولگیٹ میں خطاب کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ اس میں سائرس کے خطاب کا واضح رنگ میں ذکر ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

"I have called thee by thy name; I have found a title for thee."

"مَیں نے تجھے تیرے نام سے پکارا اور تیرے لئے ایک خطاب تجویز کیا۔"

حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(The old Testament newly translated from the Latin Vulgate by M.G.R Ronald A. Knox at the request of the Cardinal Archbishop of the Westminster. (1949

بائیبل کے انگریزی تراجم میں نام کے ساتھ خطاب کا بھی ذکر ہے۔ پیکس تفسیر بائیبل میں اسی آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ:۔

"سائرس کو ایک عزت کے خطاب سے پکارا گیا۔" (ص۴۶۴)

یہ خطاب کونسا تھا جس سے خورس کو مخاطب کیا گیا۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین بتایا ہے۔ مذکورہ مجسمہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ دانیال کے کشف کی وجہ سے سائرس کے لئے یہودیوں میں اور فارسیوں میں یہ یقین پیدا ہوچکا تھا کہ وہ دو سینگوں والی شہنشاہی کا مصداق ہے۔ چنانچہ وہ اسی لقب سے مشہور ہوگیا۔ اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ سنگی تمثال میں اس کے سر پر دو سینگ۔ اور سینگوں پر اس کی شہنشاہیت کا تاج دکھایا گیا ہے۔ زمانہ گزرتا گیا۔ سائرس کے لئے ذوالقرنین کا لقب

مرورِ زمانہ کے باعث متروک ہوگیا لیکن چونکہ دانیال نبی کے کشف میں دو سینگوں والے مینڈھے کا ذکر موجود تھا، اسلئے یہود نے اتنا یاد رکھا کہ کوئی فارسی بادشاہ ذوالقرنین ہوگزرا ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے سوال کیا کہ اس دو سینگوں والے وجود یعنی ذوالقرنین کے حالات کیا ہیں[1]؟ اس کے جواب میں وہ سب حالات بیان کئے گئے۔ جو کہ سورۂ کہف کے آخر میں درج ہیں۔ اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ بادشاہ ایک روحانی انسان تھا۔ اس نے جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی مسخر کیا۔ چنانچہ مذکورہ مجسمہ میں جو عقابی پر دکھائے گئے ہیں ان میں اس کی ملکوتی صفات و فضائل کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہوگیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے۔ یسعیاہ نبی نے اُسے مشرق سے آنے والے عقاب سے تشبیہ دی ہے (یسعیاہ $\frac{۴۶}{۱۱}$) اس مجسمہ کے پر بھی عقاب کے پروں کی مانند ہیں۔ الغرض یہ مجسمہ صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ ماضی میں ایک عظیم الشان بادشاہ ایسا بھی گزرا ہے جو کہ سائرس نام اور ذوالقرنین کے لقب سے مشہور تھا۔ اور جو کہ ملکوتی صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے مقبول عام تھا۔ یہ مجسمہ قرآنی بیان کی تصدیق کے لئے ایک منہ بولتی شہادت ہے۔

ایک علامت ذوالقرنین کی قرآن مجید نے یہ بتائی ہے کہ وہ صاحبِ الہام تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا ذکر ہے کہ جس سے ذوالقرنین راہِ ہدایت پاتا تھا مثلاً اسے بتایا گیا کہ یاجوج ماجوج کو روکنے کے لئے جو دیوار کھڑی کی گئی ایک مدت تک ایسا آئیگا کہ اس قسم کی روکیں ان قوموں کے رستے میں حائل نہیں ہوسکیں گی۔ اور یہ قومیں تسلط حاصل کرلینگی۔ بائیبل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائرس ملہم من اللہ تھا۔ لکھا ہے کہ بابل کی فتح کے بعد سائرس نے منادی کرائی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ یروشلم میں میں اس کا گھر دوبارہ تعمیر کروں۔ (عزرا $\frac{۱}{۲ تا ۱}$) تاریخ میں اس کی بعض ایسی خوابوں کا ذکر ہے جو کہ فلق صبح کی طرح سچی ثابت ہوئیں[2]۔

آثارِ قدیمہ سے بھی بعض ایسی شہادتیں ملی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سائرس کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مشن کیلئے مامور کیا تھا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پورا کرنیوالا تھا۔ ایک تاریخی تحریر میں جو کہ بابلونیا میں لکھی گئی وہ خود کہتا ہے :-

"مردوک نے ایک صادق اور راستباز شہزادہ کی تلاش میں سب اقالیم کو دیکھا۔ ایک بادشاہ پر اسکی نظر انتخاب پڑی جسکی اس نے دستگیری کی۔ اس نے اسے سائرس کے نام سے موسوم کیا جو کہ انشان کا رہنے والا تھا اور تمام دنیا کی بادشاہت کیلئے اسے نامزد کیا گیا۔" (ایران از گھرشمین ص۱۳۴)

اس سے ظاہر ہے کہ خورس کو ایک خاص مشن کیلئے چنا گیا۔ اس عبارت میں مردوک اللہ تعالیٰ کا نام ہے اہل بابل مردوک کو نور کا خدا مانتے تھے اور قیامت کو ظلمت اور ویرانی کا دیوتا۔ خورس زرتشت کا پیروکار تھا۔ زرتشت کے ہاں خدائے نور کیلئے اہورمزدہ کا نام مستعمل تھا۔ اور ظلمت کے دیوتا یعنی شیطان کیلئے اہرمن لیکن چونکہ مذکورہ تحریر بابل کی فتح کے بعد خاص بابل میں لکھی گئی اور بابلیوں کے نزدیک نور کے خدا کا نام چونکہ مردوک تھا اسلئے سائرس نے بھی خدا تعالیٰ کیلئے مردوک کا نام روا رکھا۔ یسعیاہ نبی نے صحیفہ میں سائرس کے جن فضائل کا ذکر ہے وہ مذکورہ تحریر سے ملتے جلتے ہیں (یسعیاہ باب ۴۴) خود ذوالقرنین کے متعلق قرآنی بیان کی تائید میں کچھ اور بھی آثار [illegible]

[1] سدی کی ایک روایت میں جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجئے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کون؟ کہا "ذوالقرنین"۔ (بحوالہ ترجمان القرآن)

چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے کشف میں ہی آیا ہے اسلئے یہودیوں کا یہ بیان ظاہر کرتا [illegible]

[2] ملاحظہ ہو قدیم یونانی مورخ ہیروڈوٹس کی تاریخ باب اول ص۹۵ جو کہ Penguin کے سلسلہ کتب میں شائع ہوئی ہے۔

تردید بہائیت

(۱) بہائیت اور تعددِ ازدواج

بہائی لوگ کہتے ہیں کہ بہائی ازم تعدد ازدواج کا قائل نہیں۔ انہوں نے لکھا ہے "انّ البھائیۃ تنھی عن تعدد الزوجات" کہ بہائی مذہب میں ایک سے زیادہ بیویاں جائز نہیں ہیں۔ (رسالہ بہاء اللہ والعصر الجدید عربی صفحہ ۱۲۴)

چونکہ بہائی تاریخ بڑی حد تک معرضِ کتمان میں رکھی جاتی ہے اسلئے بہت سے لوگ بہائیوں کے دعاوی کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ بہائیت کے بانی جناب بہاء اللہ نے اپنی مصنفہ شریعت "الاقدس" میں دو بیویوں تک شادی کرنیکی اجازت دی ہے اور دو سے زیادہ بیویاں کرنے سے منع کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ایاکم ان تجاوزوا عن الاثنتین"

خبردار! دو سے زیادہ بیویاں نہ کرنا

جناب بہاء اللہ کی یہ تعلیم ان کے بیٹے عبد البہاء آفندی کو پسند نہ آئی۔ وہ امریکہ گئے تو انہوں نے ہر جگہ ایک بیوی کی تعلیم کا ذکر کیا اور اپنے والد کی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اب بہائی لوگ اسکا پرچار کرتے ہیں کہ اہلِ بہاء کے لئے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا منع ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بہائیت کوئی الہامی شریعت اور مذہب نہیں ہے۔

اس معاملہ میں بہائیوں کے لئے سب سے مشکل بات یہ ہے کہ خود جناب بہاء اللہ نے **تین شادیاں** کی ہیں۔ ان تین شادیوں کی مختصر تفصیل یہ ہے:۔

(۱) جناب بہاء اللہ کی **ایک بیوی** محترمہ نوابہ صاحبہ دختر نواب طہران تھیں۔ ان سے بہاء اللہ کا نکاح ۱۲۵۸ھ ہجری میں ہوا تھا۔ نوابہ صاحبہ کا لقب "**اُمّ الکائنات**" رکھا گیا تھا یعنی ساری مخلوقات کی ماں۔ یہ لقب اسی مناسبت سے رکھا گیا ہوگا کہ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ کائنات کے خالق تھے۔ وہ انہیں اللہ مانتے ہیں اور آج تک ان کو حاضر و ناظر جان کر اُن سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اُن کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہرحال نوابہ صاحبہ کو **اُمّ الکائنات** قرار دیا گیا۔ ان کے بطن سے دو لڑکے یعنی عباس آفندی (جو بعد ازاں عبد البہاء آفندی کہلائے) اور میرزا مہدی پیدا ہوئے۔ ایک لڑکی بنام بہائیہ پیدا ہوئی۔ میرزا مہدی بہاء اللہ کی زندگی میں ہی چھت سے گر کر فوت ہوگئے تھے۔

(۲) جناب بہاء اللہ کی **دوسری بیوی** محترمہ **مہد علیا** تھیں۔ ان کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے اور ایک لڑکی۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ میرزا محمد علی، میرزا بدیع اللہ اور میرزا ضیاء اللہ۔

(۳) جناب بہاء اللہ کی **تیسری بیوی محترمہ گوہر خانم** تھیں۔ ان سے جناب بہاء اللہ نے قیام بغداد کے زمانہ میں شادی کی۔ ان کے بطن سے بھی بہت سے بچے پیدا ہوئے۔ صرف ایک لڑکی فروغیہ خانم زندہ رہی تھی۔ باقی سب بچے فوت ہوجاتے رہے۔ (ان شادیوں کی تفصیل کیلئے

ملاحظہ ہو الکواکب الدریہ فارسی جلد ۲ صفحہ ۱۰)

اب بہائیوں سے **مطالبہ** ہے کہ وہ بتائیں۔ کہ جب جناب بہاء اللہ نے تین شادیاں کیں اور ان کی ہر بیوی سے اولاد ہوئی تو آج بہائی کس طرح یہ کہتے ہیں کہ بہائی دین میں ایک سے زیادہ بیویاں جائز نہیں ہیں۔ کیا جناب بہاء اللہ کا یہ **نمونہ** بہائیوں کے لئے حجت نہیں ہے؟ اور کیا جناب بہاء نے خود اپنے قانون پر عمل نہیں کیا؟ پھر یہ بھی سوچنے والی بات ہے کہ جب جناب بہاء اللہ خود اپنی شریعت پر عمل نہیں کرتے تو اور کون کرے گا۔ اس صورت میں تو ان کی تجویز کردہ شریعت ہاتھی کے دانتوں کی مانند ہوگی جو کھانے کے اور اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

کیا اہلِ بہاء اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں؟ -

(۲) خاتم النبیین کے معنے اور بہائی عقیدہ

جناب عبد البہاء نے لکھا ہے کہ:-

"کلیہ انبیاء بر دو قسم اند۔ قسمے نبی بالاستقلال اند و متبوع، وقسمے دیگر غیر مستقل و تابع۔ انبیائے مستقلہ اصحابِ شریعت اند و مؤسسِ دورِ جدید"

یعنی جملہ انبیاء دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک مستقل اور متبوع نبی ہوتے ہیں اور دوسرے غیر مستقل اور تابع نبی۔ مستقل نبی شریعت لانے والے اور نئے دور کی بنیاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔"

(رسالہ مفاوضات عبد البہاء صفحہ ۱۱)

بہائی لوگ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین کے معنے "نبیوں کو بند کرنے والا" کرتے ہیں۔ اب ان سے سوال ہے کہ جب سب نبی بند ہو گئے ہیں، شریعت لانے والے بھی اور بغیر شریعت کے آنے والے بھی بند ہو گئے تو پھر نئی شریعت لانے والے باب و بہاء کے لئے آپ کہاں سے گنجائش نکالیں گے؟ آپ کے معنوں کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو خواہ وہ شریعت لانے کا مدعی ہو اور خواہ وہ تابع شریعت ہونے کا دعویدار ہو نبی قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی کسی شریعت کو مانا جا سکتا ہے۔ کیا کوئی بہائی اس **عقدہ** کو حل کر سکتا ہے؟

(۳) صلیب مسیح کا عقیدہ اور بہائیت

حضرت عیسیٰؑ کی صلیبی موت یا آسمان پر زندہ جانے کے بارے میں دو متضاد عقیدے بہائیوں نے اختیار کر رکھے ہیں جناب بہاء اللہ نے لکھا تھا:-

"وارد شد برآں جمالِ قدس آنچہ کہ اہلِ فردوس نوحہ نمودند و بقسمے بر آنحضرت امر صعب شد کہ حق جل جلالہ بارادۂ عالیہ بسماءِ چہارم صعودش داد" (الواح مبارکہ صفحہ ۲۷۹)

ترجمہ:- حضرت عیسےٰؑ پر اتنی تکلیف آئی کہ اہلِ فردوس نوحہ کرنے لگ پڑے اور آپ کے لئے اتنی تنگی ہوئی کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے ارادہ سے انہیں **چوتھے آسمان پر اٹھا لیا**۔"

اس کے بالمقابل جناب عبد البہاء نے کہا ہے:-

"در دستِ یہود افتاد و اسیرِ ہر ظلوم و جہول گردید و عاقبت مصلوب شد" (مفاوضات صفحہ ۲۸)

ترجمہ:- حضرت مسیحؑ یہود کے ہاتھوں میں پڑ گئے اور ہر ظالم و جاہل کے پاس قیدی بن گئے۔ آخر کار **مصلوب** ہو گئے۔"

کیا کوئی بہائی بتا سکتا ہے کہ ان میں سے کونسا عقیدہ درست ہے؟

نعرۂ قلندرانہ

(از قلم جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور)

بحمد اللہ کہ من دارم خدائے قادر و قہار
حفیظ و حامی و ناصر۔ عزیز و غالب و غفار

محمد مصطفیٰ دارم۔ امام و مقتدا شارع
مطاع زمرۂ پاکاں۔ بہ جیل انبیاء سالار

کلام اللہ قرآنست دستور العمل ما را
بری از ناسخ و منسوخ۔ کامل در ہمہ اذکار

بیا تلمیذ رحمٰن شو۔ کہ قرآں را بیاموزی
بہ تقوی و طہارت کوش تا حاصل کنی اسرار

اگر ایماں بدل داری ز اعمالت نمایاں کن
کہ بے اعمال صالح ہست ایمان بشر بیکار

اگر علمے بیاموزی۔ مگر خشیت نمے داری
مثال خود بداں چوں خر کتابے چند بر وے بار

مرا کافر ہمے خوانی و خود را مومنے نامی
بدیں خلقے کہ تو داری من از کیش توام بیزار

بہ اسلامے کہ تو نازی بہ یک جو ہم نمی ارزد
تو با اسلام خود باش و مرا در کفر من بگذار

مرا اللہ۔ قرآن و محمدؐ تا ابد کافیست
گر ایں کفرست پیش تو مرا از کافراں شمار

مرا احمد نبی اللہ ہمیں تعلیم فرمودست
منش اسلام میدانم ترا بد ظن کند اشرار

بہ تبلیغ صداقت من ز غیر اللہ نمے ترسم
ہر آں چیزیکہ حق دانم بہ ہر میداں کنم اظہار

چو ملا از حسد بنمود ایں ہفتاد و دو ملت
بہ قتل مومناں گشتند یکجا کلہم فی النار

بحمد اللہ من یوسف کہ خارج از حسد بودم
نجاتم داد خلاقم ز مکر زمرۂ فجار

حضرت مسیح علیہ السّلام کی اصلی انجیل کہاں گئی؟

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب)

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کو کتاب دی گئی جس کا نام انجیل تھا۔ مسلمان کہتے ہیں کہ یہ انجیلیں جو عیسائیوں کے پاس ہیں یہ حضرت مسیحؑ کی تصنیف نہیں۔ ان کے مصنف متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا نامی اشخاص ہیں۔ اسلئے یہ کتابیں ہمارے لئے دلیل اور حجت نہیں ہیں۔ ماسٹر برکت اے خان صاحب مشن ہائی سکول چھاؤنی کہتے ہیں کہ "مسلمانوں کا یہ دعویٰ درست نہیں" حالانکہ قرآن میں لکھا ہے کہ عیسٰی کے حواریوں پر وحی نازل ہوئی۔"

ماسٹر صاحب کو جاننا چاہیئے کہ حواریوں کی وحی حضرت مسیحؑ کی وحی نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی اس کو انجیل کہا جا سکتا ہے۔ اگر حواریوں کی وحی کو انجیل کہا جائے تو ان کی تعداد میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ بقول متی حضرت مسیحؑ کے حواری بارہ ۱۲ تھے۔ (متی ۱۰/۲) اور لوقا نے حواریوں کی تعداد ستّر بتلائی ہے۔ (۱۰/۱۷) اس حساب سے انجیلوں کی تعداد ستّر بنتی ہے۔ اس کے علاوہ مروجہ اناجیل کے مصنفوں میں سے مرقس اور لوقا حضرت مسیح کے حواری نہ تھے۔ نیز متی اور یوحنا کے متعلق بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حواری تھے۔ متی محصول خانہ کا چپڑاسی تھا۔ اس کی انجیل سے پتہ نہیں چلتا کہ وہی اس کا مصنف ہے۔ اس میں متی کا ذکر ایسے طریق پر کیا گیا ہے جیسے کوئی دوسرا شخص کسی کا ذکر کرتا ہے۔ (دیکھو متی ۹:۹ و ۱۰:۳) نیز دوسری انجیلوں پر (جن کو موجودہ عیسائی جعلی بتلاتے ہیں) "ایک متی کی انجیل" بھی ہے (تحریف انجیل و صحت انجیل صہ مصنفہ پادری ڈبلیو جی ایم سائے) ان ہر دو اناجیل کی طرز تحریر آپس میں ملتی جلتی ہے اور واقعات یعنی یوسف اور مریم کا یسوع کو لیکر مصر میں جانا وغیرہ ان ہر دو متیوں کی انجیل میں مذکور ہے۔ عیسائیوں کے پاس اس کے رد کرنے کی کوئی قطعی دلیل نہیں۔

پادری ڈاکٹر جیمس سٹاکر صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں کہ "یسوع مسیح کے شاگرد ناخواندہ مچھوے تھے اور عموماً سب صاحب عقل نہ تھے۔ جو کچھ یسوع کے دل میں تھا وہ سب کچھ پیروؤں پر کھول نہ سکتا تھا ..... وہ اپنے دل کے بھید کے خیالات بے بتائے اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ وہ اس کو پورے طور پر سمجھتے نہ تھے۔" (حیات پولوس صہ) اور یوحنا کی بابت لکھا ہے کہ وہ ان پڑھ تھا۔ (اعمال ۴:۱۳) پس ان لوگوں کا انجیلوں کو تحریر کرنا کیونکر یقینی سمجھا جا سکتا ہے۔

پادری ایچ۔ لوسیشنی صاحب مقدمہ تفسیری میں بہت سے قدیم مصنفوں کے حوالجات کی بناء پر ثابت کرتے ہیں کہ متی نے عبرانی زبان میں اپنی انجیل تصنیف کی تھی جو یروشلم کی تباہی کے بعد جبکہ یہودی مسیحی بتدریج تباہ ہونے لگے تو مقدس متی

کی یہ تصنیف بھی تلف ہو گئی۔ لیکن یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ اس کا لب لباب اس یونانی انجیل کے ذریعہ پہنچا ہے جو اب متی کے نام سے مشہور ہے (ص۲۲۵) پھر لکھتے ہیں :-

"قدیم مصنفین سے اس بات کا
سراغ نہیں چلتا کہ مقدس متی کی اصل
عبرانی انجیل جس کے موجود ہونے کے
متعلق کافی شہادتیں موجود ہیں یونانی
زبان میں کس کے ذریعہ سے ترجمہ ہوئی"
(مقدمہ تفسیر متی ص۲۲۲)

بالمقابلہ مذکورہ بالا حوالجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی انجیل عبرانی اصل انجیل کا خلاصہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ انجیل کس کے ذریعہ سے ترجمہ ہوئی۔ اصل عبرانی زبان میں انجیل گئی اور یونانی میں خلاصہ لکھنے والا کوئی نامعلوم شخص ہے۔ ہر لحاظ سے یہ انجیل قابلِ اعتبار نہیں۔ پادری صاحب کہتے ہیں :-

"اس میں حل طلب معمہ یہ ہے۔ کہ
زبانی روایت کا اختتام اور تحریری
کا آغاز کہاں ہوتا ہے ؟ ہم بجز ظنِ
غالب اس مشکل سوال کا کوئی قطعی جواب
نہیں دے سکتے۔ تاہم اناجیل کے سمجھنے
اور اُن کی تشریح کے لئے یہ نہایت اہم
ہے کہ ہمارے ذہن میں ایک صاف
و صحیح نقشہ اس امر کا جم جائے۔ کہ یہ
تصنیفات کیونکر ضبطِ تحریر میں آئیں" (ص۱۱)

انجیل یوحنا اس انجیل میں مصنف کا نام نہیں پایا جاتا۔ یوحنا $\frac{19}{16}$ و $\frac{2}{3}$ میں جس پیارے شاگرد کا ذکر ہے اس کا نام صیغہ غائب میں ہے جس نے اس کو لکھا۔ بتایا ہے : "ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے" یہ بات کوئی مصنف اپنے حق میں نہیں کہتا۔ اس سے ثابت ہے۔ کہ کتاب لکھنے والا اور شخص ہے" اور گواہی کو سچا جاننے والا" کوئی دوسرا شخص ہے۔ پھر جبکہ یوحنا اَن پڑھ ہو جیسا کہ اعمال کی کتاب اور حیات پولوس سے ظاہر ہے۔

انجیل مرقس مرقس کا یہودی نام یوحنا تھا (اعمال $\frac{12}{29}$) یہ پطرس کے ذریعہ ایمان لایا اس لئے پطرس اس کو اپنا بیٹا کہتا ہے (۱۔پطرس $\frac{5}{13}$) یہ پولوس کا خدمت گار تھا (۲ ۔تمتھیس $\frac{4}{11}$) اس کتاب کا سنہ تصنیف بتانا دشوار ہے (دیباچہ تفسیر مرقس ص۳ مصنفہ پادری جے علی بخش) یہ انجیل کہاں لکھی گئی ؟ کوئی روم اور کوئی اسکندریہ بتاتا ہے۔ (تفسیر مذکورہ ص۳) کس زبان میں لکھی گئی۔ کوئی یونانی اور کوئی لاطینی بتاتا ہے (تفسیر مرقس ص۵) مرقس نہ تو مسیح کے رفیقوں میں سے تھا اور نہ سامعین میں سے (ص۵) اس میں تقریباً تیئس ۲۳ آیات ایسی ہیں جو اس انجیل میں آئی ہیں۔ (ص۶)

لوقا کی انجیل لکھا ہے : "یہ تو راست ہے کہ وہ (لوقا) بُت پرستوں میں سے مسیحی ہوا" (دیباچہ تفسیر اعمال ص۹ مصنفہ پادری ڈی۔ واکر ایم۔اے) پادری ایچ۔ یو۔ سٹینٹن صاحب چاروں انجیلوں کی بابت کہتے ہیں :-

"نہ تو ان سناپٹک اناجیل میں
اور نہ انجیل یوحنا میں انکے مصنفوں
کا نام ملتا ہے" (دیباچہ تفسیر متی ص۱۵)

نامکمل اناجیل یہ انجیلیں جن کا ذکر کر چکا ہوں باوجودیکہ تعداد میں چار ہیں لیکن

ان میں حضرت مسیح کی زندگی کے معمولی چند واقعات درج ہیں۔ چنانچہ پادری ایچ یو سٹینٹن صاحب لکھتے ہیں :۔

"اناجیل اربعہ ۔ ان کو بغور مطالعہ
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ......
.... خداوند کے بعض اقوال اور اسکی
زندگی کے واقعات کا ایک مجموعہ
کہا جا سکتا ہے" (تفسیر متی صـ۱۲)

انجیل یوحنا میں مرقوم ہے :۔

"یسوع نے اور بہت سے
معجزے شاگردوں کے سامنے دکھائے
جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے۔" (۲۰/۳۰)

پھر لکھا ہے :۔

"اور بھی بہت سے کام ہیں۔ جو
یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے
جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی
جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجایش نہ
ہوتی۔" (۲۱/۲۵)

اس سے ظاہر ہے کہ ان انجیلوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صفر کے برابر ہے۔ حضرت مسیح کے حالات، معجزے، کام وغیرہ اتنے تھے کہ زمین اور آسمان کے اندر سمانے مشکل تھے۔ یہ مبالغہ آمیزی بھی اپنی مثال آپ ہی ہے۔ پادری ایچ۔ یو۔ سٹینٹن صاحب لکھتے ہیں :۔

"حضرت مسیح کا سن ولادت آپ کی
پیدائش سے چار سال بعد سمجھنا چاہیئے
بہرحال تمام دلائل کی بنا پر قیاس کیا
جا سکتا ہے۔ کہ ہمارے نجات دہندہ
کی پیدائش قریباً ۸ سنہ یا ۶ سنہ
قبل مسیح میں ہوئی۔" (تفسیر متی صـ۶)

انجیل نویسوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ حضرت مسیح کی تاریخ ولادت نہیں لکھی۔ لوقا کہتا ہے کہ جب وہ تعلیم دینے لگا تو برس تیس ایک کا تھا۔ (۳/۲۳) اس سے پہلی زندگی کے حالات کسی انجیل میں سے نہیں ملتے۔ بلکہ یوں کہو کہ ۲۶ سالہ زندگی گمنام ہے یا گمنام رکھی گئی ہے۔

اس جگہ یہ بات بتا دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ان انجیلوں کے ساتھ ساتھ دیگر تصنیفات کی بھی اشاعت ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض کتابوں کا درجہ کتاب مقدس کے برابر سمجھا جاتا تھا (تفسیر متی صـ۴) اور سب سے قدیم فہرست کتب عہد جدید جو پائی جاتی ہے وہ بہت کچھ مشکوک ہے۔ اس کا زمانہ ۱۸۰ء سے ۲۰۰ء تک کا ہے (تفسیر متی صـ۵) اور اس وقت ایسے لوگ موجود تھے جو خداوند کے کلام میں آمیزش کرتے تھے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۔ ۱۷) پولوس کہتا ہے :۔ "تم پھر دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے۔ (گلتیوں ۱: ۶ تا ۹)

حضرت مسیح کی انجیل

غیر حواریوں کی تو بات کیا حضرت مسیح نے خود اپنے کسی حواری کو بھی انجیل لکھنے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی کسی انجیل نویس نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی ہدایت سے لکھ رہے ہیں۔ حضرت مسیح خود تعلیم یافتہ تھے۔ لکھا ہے :۔ "مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا (یوحنا ۸/۶) اور وہ اپنے دستور کے مطابق سبت کے دن عبادتخانے میں پڑھنے کو کھڑا ہوا اور یسعیاہ نبی کی کتاب اسکو دی گئی۔ (لوقا ۴/۱۶-۲۰ نیز دیکھو یوحنا ۷/۱۴ وغیرہ)۔

اس تحریر و تصنیف کی ضرورت اور اہمیت ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ زبانی روایات کا سلسلہ کہاں تک چل سکتا ہے۔ اُن کے سامنے خدا باپ

نمونہ بھی موجود تھا کہ اس نے خود اپنی انگلی سے لکھی ہوئی دو لوحیں حضرت موسیٰ کو عطا کیں (استثنا ۹:۱۰) خدا نے یرمیاہ کو کہا کہ ساری باتیں جو میں نے تجھ سے کہیں کتاب میں لکھ (یرمیاہ ۳۰/۲) پس ضروری تھا کہ آپ اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ چھوڑ جاتے چنانچہ انجیلوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح کے پاس ایک کتاب تھی جس پر وہ ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے "توبہ کرو اور انجیل کو مانو" (مرقس ۱/۱۵) "ایسا کوئی نہیں جس نے گھر ...... وغیرہ کو میرے اور انجیل کیلئے چھوڑ دیا ہو" (مرقس ۱۰/۲۹ و ۱۴/۹ متی ۲۶/۱۳ وغیرہ)

پادری ای ۔ یوسٹنین صاحب لکھتے ہیں :-

"بعض مصنفوں نے خیال کیا کہ سناپٹک اناجیل کے مصنفین کے سامنے ایک وہ انجیل تھی جو ہماری موجودہ انجیل سے بہت پہلے کی تھی اور اب مفقود ہے"

(تفسیر متی ص۸)

پھر لکھتے ہیں :- "تحقیقات کے دوران میں اسکو (لوقا کو) مسیح کے اقوال کا ایک مجموعہ ہاتھ لگ گیا جو دوسرے سناپٹک انجیل نویسوں کو میسر نہ تھا" (تفسیر متی ص۲۸)

یہ اشارات بھی حضرت مسیح کی انجیل کے متعلق ہیں۔

اب وہ انجیل کہاں گئی

پادری ڈبلیو میچن صاحب ایم اے مسیحیوں کا سوال لکھتے ہیں کہ "اگر انجیل محرف ہوئی ہے تو صحیح انجیل ہم کو دکھا دو؟ (تحریف انجیل و صحت انجیل ص۲) انجیل دکھانے کی ذمہ داری مسلمانوں پر کسی صورت میں عاید نہیں ہوتی۔ کیونکہ اہل کتاب عیسائی ہیں۔ فرض کرو اگر مسلمان اصلی انجیل لے آئیں تو انکے پاس اس کی صحت کا کیا ثبوت ہوگا۔ یا عیسائی اُسے کیونکر تسلیم کر لیں گے۔ ہاں اگر ذرا غور و تدبر سے کام لیں تو ان کو اس سوال کا جواب آسانی سے سمجھ آ سکتا ہے۔ جناب پولوس اپنے ایک خط کا ذکر کرتے ہیں (۱۔ کرنتھیوں ۵/۹) بتلایا جائے کہ اب وہ خط (کتاب) کہاں ہے؟ لودیکیہ میں سے آنے والے ایک خط پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے (کلسیوں ۴/۱۶) یہ خط (کتاب) اب کہاں ہے؟ حضرت موسیٰ نے عہد نامہ پڑھ کر لوگوں کو سنایا (خروج ۲۴/۷) اب یہ کہاں ہے؟ اس سبب خداوند کے جنگ نامہ میں لکھا ہے (گنتی ۲۱/۱۴) یہ اب کہاں ہے؟ دیکھو وہ کتاب الیاشر میں لکھا ہے۔ (۲۔سموایل ۱/۱۸) اس کتاب کو دیکھنے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ کیا کوئی پادری صاحب یہ کتاب دکھا سکتا ہے "تب آفتاب ٹھہرا رہا اور مہتاب ٹھہر گیا ..... یہ کیا کتاب الیاشر میں نہیں لکھا (یشوع ۱۰:۱۳) یہ کتاب اب کہاں ہے؟ یا ہو بن حنانی کی تواریخ ۲ تواریخ ۲۰/۳۴ بتاؤ یہ کہاں ہے؟ سمعیاہ نبی کی کتاب (۲ تواریخ ۱۲/۱۵) عیدو نبی کی کتاب (۲ تواریخ ۱۲/۱۵) ناتن نبی کی کتاب (۱ تواریخ ۲۹/۲۹) ہوسیع کی تواریخ (۲ تواریخ ۳۳/۱۹) نوحوں کی کتاب (۲ تواریخ ۳۵/۲۵) جاد نبی کی تواریخ (۱ تواریخ ۲۹/۲۹) سلانی اخیاہ کی پیشگوئیوں کی کتاب (۲ تواریخ ۹/۲۹) یہ کتابیں اب کہاں ہیں؟ سموایل نے آداب سلطنت کتاب میں لکھ کر خداوند کے حضور رکھی (۱ سموایل ۱۰/۲۵) یہ کتاب کہاں ہے کچھ تو نشان پتہ بتا دو؟ سلیمان نے تین ہزار مثالیں کہیں اور اس کے گیت ایک ہزار پانچ تھے (۱۔سلاطین ۴:۳۲) مہربانی کرکے ذرا ان کی گنتی پوری کرکے دکھائیں۔ اور سلیمان نے درختوں کی کیفیت بیان کی۔ سرو کے درخت سے لے کے جو لبنان میں تھا اُس زوفا تک جو دیوار پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا (۱۔سلاطین ۴:۳۲-۳۴)

یہ کس کتاب میں درج ہیں اور وہ اب کہاں ہے؟

معترض صاحب کو امید ہے سمجھ آ گئی ہوگی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی انجیل کہاں گئی۔ اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ وہ ان کتابوں کے ساتھ آرام فرما رہی ہے اور مسلمانوں کا دعویٰ بالکل سچا ہے ؛

ان میں حضرت مسیح کی زندگی کے معمولی چند واقعات درج ہیں۔ چنانچہ پادری ایچ۔ یو۔ سٹینٹن صاحب لکھتے ہیں:-

"اناجیل اربعہ۔ ان کو بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ......
...خداوند کے بعض اقوال اور اسکی زندگی کے واقعات کا ایک مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔" (تفسیر متی صہ ۱۲)

انجیل یوحنا میں مرقوم ہے:-

"یسوع نے اور بہت سے معجزے شاگردوں کے سامنے دکھائے جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے۔" ($\frac{۲۰}{۳۰}$)

پھر لکھا ہے:-

"اور بھی بہت سے کام ہیں۔ جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔" ($\frac{۲۱}{۲۵}$)

اس سے ظاہر ہے کہ ان انجیلوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صفر کے برابر ہے۔ حضرت مسیح کے حالات، معجزے، کام وغیرہ اتنے تھے کہ زمین اور آسمان کے اندر سمانے مشکل تھے۔ یہ مبالغہ آمیزی بھی اپنی مثال آپ ہی ہے۔ پادری ایچ۔ یو۔ سٹینٹن صاحب لکھتے ہیں:-

"حضرت مسیح کا سن ولادت آپ کی پیدائش سے چار سال بعد سمجھنا چاہیئے بہرحال تمام دلائل کی بنا پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہمارے نجات دہندہ کی پیدائش قریباً ۵ سنہ یا ۶ سنہ قبل مسیح میں ہوئی۔" (تفسیر متی صہ ۶۶)

انجیل نویسوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ حضرت مسیح کی تاریخ ولادت نہیں لکھی۔ لوقا کہتا ہے کہ جب وہ تعلیم دینے لگا تو برس تیس ایک کا تھا۔ ($\frac{۳}{۲۳}$) اس سے پہلی زندگی کے حالات کسی انجیل میں سے نہیں ملتے۔ بلکہ یوں کہو کہ ۲۶ سالہ زندگی گمنام ہے یا گمنام رکھی گئی ہے۔

اس جگہ یہ بات بتا دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ان انجیلوں کے ساتھ ساتھ دیگر تصنیفات کی بھی اشاعت ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض کتابوں کا درجہ کتاب مقدس کے برابر سمجھا جاتا تھا (تفسیر متی صہ ۴) اور سب سے قدیم فہرست کتب عہد جدید جو پائی جاتی ہے وہ بہت کچھ مشکوک ہے۔ اس کا زمانہ ۱۸۰ سنہ سے ۲۰۰ سنہ تک کا ہے (تفسیر متی صہ ۵) اور اس وقت ایسے لوگ موجود تھے جو خداوند کے کلام میں آمیزش کرتے تھے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۲: ۱۷) پولوس کہتا ہے: "تم پھر دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے۔" (گلتیوں ۱: ۶ تا ۹)

حضرت مسیح کی انجیل

غیر حواریوں کی تو بات کیا حضرت مسیح نے خود اپنے کسی حواری کو بھی انجیل لکھنے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی کسی انجیل نویس نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی ہدایت سے لکھ رہے ہیں۔ حضرت مسیح خود تعلیم یافتہ تھے۔ لکھا ہے: "مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا (یوحنا $\frac{۸}{۸-۶}$) اور وہ اپنے دستور کے مطابق سبت کے دن عبادتخانے میں پڑھنے کو کھڑا ہوا اور یسعیاہ نبی کی کتاب اسکو دی گئی۔ (لوقا $\frac{۴}{۲۰-۱۶}$ نیز دیکھو یوحنا $\frac{۷}{۱۴}$ وغیرہ)۔ اس تحریر و تصنیف کی ضرورت اور اہمیت ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ زبانی روایات کا سلسلہ کہاں تک چل سکتا ہے۔ اُن کے سامنے خدا پاک

حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کا حج بیت اللہ اور سکھ کتب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکشاف کی تاریخی تائید

کعبہ کے گھمانے کا قصہ فرضی اور بعد کی ایجاد ہے

(جناب عباد اللہ صاحب گیانی)

سکھ کتب میں جناب بابا نانک صاحبؒ کا خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت ایک مسلمان کے لباس میں نیلے کپڑے پہن کر اور ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں کوزہ لیکر اور قرآن شریف بغل میں دبا کر اذانیں دیتے ہوئے اور نمازیں پڑھتے ہوئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ جانا مرقوم ہے ملاحظہ ہو جنم ساکھی بھائی بالا ص ۱۳۶ و جنم ساکھی اُردو ص ۱۵۳ و مہا پرکاش قلمی ص ۹۵ (پنجاب پبلک لائبریری ع ۱۳۵) و واراں بھائی گورداس' وار پہلی پوڑی ۳۲ و گورو نانک سورج جوشے جنم ساکھی ص ۱۳۸ و نانک پرکاش ص ۶۰۹ و تواریخ گورو خالصہ ص ۲۶۳ و نانک پربودھ ص ۲۰ و تواریخ گورو خالصہ حصہ ص ۱۵۳ وغیرہ)

حج ایک خالص اسلامی فریضہ ہے۔ اسلام کی تعلیم کی رُو سے یہ ہر ذی استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مرقوم ہے:-

وللہ علی الناس حج البیت
من استطاع الیہ سبیلا۔

یعنی ہر ذی استطاعت مسلمان پر حج فرض ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بابا نانکؒ کا اسلام ثابت کرنیکی غرض سے جہاں سکھ کتب سے بکثرت حوالہ جات پیش کئے ہیں وہاں آپ نے باباصاحبؒ کا ایک مسلمان کے لباس میں حج بیت اللہ کے لئے جانا بھی ان کے مسلمان ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں کہ:-

"اب غور کرنا چاہئے کہ یہ طریق نیلے کپڑے پہننا اور عصا ہاتھ میں لینا اور کوزہ اور مصلےٰ ساتھ رکھنا اور قرآن بغل میں لٹکانا اور خانہ کعبہ کا قصد کرکے ہزاروں کوس کی مسافت قطع کر کے جانا اور وہاں مسجد میں جا کر قیام کرنا اور بانگ دینا کیا یہ نشان مسلمانوں کے ہیں یا ہندوؤں کے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان ہی حج کے لئے نیلے کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔ عصا بھی مسلمانوں کا شیوہ ہے اور مصلےٰ ساتھ رکھنا تو نمازیوں کا کام ہے اور قرآن ساتھ رکھنا نیک بخت مسلمانوں کا طریق ہے۔" (ست بچن ص ۴۹-۵۰ حاشیہ)

الغرض یہ باباصاحبؒ کے اسلام کا ایک واضح ثبوت تھا مگر افسوس کہ سکھ قوم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھانے کی بجائے سکھ کتب میں ایک جعلی روایت داخل کردی کہ باباصاحبؒ جب

معظمہ گئے تھے تو وہاں جاکر آپ نے حج کا فریضہ ادا نہیں کیا تھا بلکہ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سو گئے تھے اور پھر اپنی کرامت سے مکہ معظمہ یا کعبہ شریف کو گھما دیا تھا۔ چنانچہ سردار شمشیر سنگھ اشوک ہسٹری ریسرچ اسکالر نے اس قصہ کو باباصاحبؒ کے اسلام کے رد میں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے لکھا:۔

"مسلمان کعبہ کو خدا کا گھر تسلیم کر کے
پوجتے ہیں (یہ اشوک جی نے بہت بڑی
غلط بیانی کی ہے، کوئی مسلمان کعبہ کی
پرستش نہیں کرتا) لیکن سری گورو نانک دیو جی
جب مکے گئے تھے تو کعبہ کی طرف پاؤں پھیلا کر
سوئے تھے۔ گورو صاحب کا کعبہ کی طرف
پاؤں پھیلا کر سونا اور ملاں کے آنے پر
ان کے پاؤں پکڑ کر گھمائے جانا اور کعبہ کا
گھومنا سری گورو نانک دیو جی کی تقریباً
تمام جنم ساکھیوں میں مرقوم ہے"
(خالصہ سیوک ۲۵ دسمبر ۱۹۳۶ء)

حقیقت یہ ہے کہ مکہ یا کعبہ کے گھومنے کی روایت بعد میں وضع کی گئی ہے۔ اور اس روایت کے وضع کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ باباجی کے اسلام کو چھپایا جائے اور ان کے حج کو مشتبہ کیا جائے۔ جب یہ روایت خدا تعالیٰ کے مقدس مسیحؑ کے سامنے آئی تو حضورؑ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"یہ افتراء کہ گویا مکہ باوا صاحبؒ کے
پاؤں کی طرف پھرتا تھا نہایت مکروہ افتراء
ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیہودہ باتیں
اس وقت کتاب میں ملائی گئی ہیں کہ جب باوا
نانک صاحبؒ کا حج کرنا مشہور ہو گیا تھا"
(ست بچن صفحہ ۵۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ باباصاحبؒ کا کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سونا اور پھر اپنے پاؤں سے مکہ معظمہ یا کعبہ شریف کو گھمانا سکھ کتب میں بعد میں ملایا گیا ہے۔ پہلے یہ روایت سکھ کتب کا حصہ نہ تھی۔ اور یہ روایت محض اس وجہ سے سکھ کتب میں داخل کی گئی کہ باباصاحبؒ کے حج پر پردہ ڈالا جا سکے۔ کیونکہ ان کا حج کے لئے مکہ شریف جانا ان کے مسلمان ہونے کی ایک زبردست دلیل تھا۔

خاکسار کے سامنے حضور علیہ السلام کا جب یہ ارشاد آیا تو خاکسار نے اس نقطہ نگاہ سے سکھ کتب کی ورق گردانی کی کہ یہ ساکھی کب ملائی گئی۔ اس سلسلہ میں جو کچھ معلوم ہو سکا اس سے حضور علیہ السلام کے ارشاد کی **زبردست تائید** ہوتی ہے۔ سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں قابل غور یہ ہے کہ گورو گرنتھ صاحب میں اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ مکہ معظمہ میں باباصاحبؒ نے ایسی کوئی کرامت دکھائی ہو۔ اس کے برعکس نامدیو کا اپنی کرامت سے مندر کو گھمانا گورو گرنتھ صاحب میں دو جگہ مرقوم ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ:۔

جیوں جیوں نامہ ہر گن اچرے
بھگت جناں کو دیہرا پھرے
(گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۱۶۴)

ایک اور مقام پر مرقوم ہے کہ:۔

پھیر دیا دیہرا نامے کو
پنڈتن کو پچھوارلا
(گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۲۹۲)

ان دونوں حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ نامدیو نے مندر کو گھما دیا تھا۔ ہمیں سر دست اس سے کوئی تعلق نہیں کہ نامدیو نے ایسی کوئی کرامت دکھائی تھی یا نہیں البتہ اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ اگر باباصاحبؒ نے مکہ معظمہ میں کعبہ یا مکہ شریف کو گھما دیا تھا تو یہ ناممکن تھا کہ گورو ارجن جی اس کا گورو گرنتھ صاحب میں ذکر نہ کرتے جبکہ انہوں نے

نامدیو کے مندر گھمانے کے واقعہ کو دو جگہ نقل کیا ہے۔ گورونانک صاحبؒ کی ایسی کرامت گورو ارجن کیلئے بہرحال نامدیو کی کرامت سے اعلیٰ اور افضل تھی۔ کیونکہ وہ گورو نانک صاحبؒ کو سب سے بڑا تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ سکھ ودوان ان کا مندرجہ ذیل قول گورو نانکؒ کی بڑائی میں اکثر پیش کیا کرتے ہیں ؎

سبتے وڈا ستگورو نانک جن کل راکھی میری

اس سے ہر عقلمند یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ گورو ارجن جی اس بات کے قائل نہ تھے کہ بابا جی نے اپنے پاؤں سے مکہ یا کعبہ گھما دیا تھا۔ ورنہ وہ اسے ضرور گورو گرنتھ صاحب میں داخل کر دیتے۔

ایک سکھ ودوان سردار جی۔ بی سنگھ جی ریٹائرڈ پوسٹماسٹر جنرل نے تو اس سلسلہ میں یہانتک لکھ دیا ہے کہ مکہ گھومنے کی ساکھی اصل میں نامدیو کے مندر پھیرنے کے قصہ کی نقل میں وضع کی گئی ہے۔ جیسا کہ ان کا بیان ہے:۔

"مکہ پھیرنے والی کہانی شروع سے آخر تک کیسی بناوٹی اور جھوٹی نظر آتی ہو نقل بھی کی ہے تو ایسی کہ پڑھ کر نقل کرنے والے کی عقل پر رونا آتا ہے . . . . بس یہ کہنا پڑتا ہے کہ مکہ کی گوشٹ لکھنے والے نے نامدیو والی کہانی سرقہ کر کے اپنی بے عقلی سے ایک بے جوڑ قصہ بنا کر لکھ دیا ہے"

(ترجمہ از پنجابی ساہت اپریل ۱۹۴۶ء)

پس اس سے بھی اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ مکہ گھومنے کا قصہ بعد کی ملاوٹ ہے اور کسی بیوقوف نے نامدیو کے مندر گھمانے کے قصہ کی نقل میں وضع کیا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسکے علاوہ خاکسار نے جنم ساکھیوں کی بھی پڑتال کی اور اس سلسلہ میں کئی قلمی جنم ساکھیاں مختلف لائبریریوں میں دیکھیں ان سب میں مجھے اس قصہ کا کوئی نام و نشان نہ ملا کہ جناب بابا نانک صاحبؒ جب مکہ معظمہ گئے تھے تو وہاں انکی کرامت سے کعبہ یا مکہ گھوم گیا تھا۔ خود خاکسار کے پاس تین قلمی جنم ساکھیاں ہیں ان تینوں میں اس قصہ کا کوئی ذکر نہیں۔ حتیٰ کہ مردان والی جنم ساکھی جو وہاں کے پیر شیر محمد صاحب کے پاس تھی اور جس کیلئے سر جوگندر سنگھ پنجابی نے پیر صاحب مکرم کو دس ہزار روپیہ تک قیمت کی پیشکش بھی کی تھی اور جسکے متعلق اخبارات میں بھی خوب چرچا ہوا تھا اور جسے سب سے پہلی یا گورو انگد کے زمانہ کے قریب کی جنم ساکھی کی نقل بیان کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو "اکالی" ۳۰ر اپریل ۱۹۴۳ء اور رسالہ "آجکل" دہلی یکم جون ۱۹۴۳ء) اس میں بھی یہ مکہ یا کعبہ گھومنے کی ساکھی نہیں ہے خاکسار نے ایک مرتبہ خود مردان پہنچکر اور پیر شیر محمد صاحب سے مل کر اور اس جنم ساکھی کی پڑتال کر کے اس کی تصدیق کی تھی۔ خاکسار کے پاس بھی ایک قلمی جنم ساکھی ایسی ہے جو اس کی ہو بہو نقل ہے۔ اسلئے مردان والی جنم ساکھی سے اس کا کئی جگہ سے مقابلہ کر کے دیکھا تھا۔

اسکے علاوہ میرے پاس ایک مطبوعہ جنم ساکھی بھی ایسی ہے جس میں کہ اس مکہ یا کعبہ گھومنے کے قصہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ یہ جنم ساکھی دیوان بوٹا سنگھ جی نے اپنے پریس "مطبع آفتاب پنجاب لاہور" سے چھپوا کر سنہ ۱۸۷۶ء میں شائع کی تھی۔ اس جنم ساکھی کے صفحہ ۱۵۲ سے صفحہ ۱۵۴ تک بابا جی کے مکہ جانے کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ گو ان میں بھی کئی باتیں خلافِ واقعہ ہیں مگر اس میں مکہ یا کعبہ گھومنے کا کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سنہ ۱۸۷۶ء تک یہ قصہ جنم ساکھیوں میں درج نہ تھا ورنہ یہ ناممکن تھا کہ دیوان بوٹا سنگھ جی کی شائع کردہ جنم ساکھی میں اس واقعہ کو شامل نہ کیا جاتا۔ اس کے بعد جو جنم ساکھیاں شائع ہوئیں ان میں

یہ من گھڑت قصہ بعد میں داخل کر دیا گیا۔ تاکہ باباصاحب کے حج کو مشتبہ کیا جا سکے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سب سے پہلے ۱۸۹۵ء میں زبانی طور پر (ملاحظہ ہو ست بچن صفحہ ۲۰۶) اور پھر ۱۸۸۶ء میں تحریری طور پر باباصاحبؒ کے اسلام کا اعلان فرمایا (ملاحظہ ہو سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۳۱) اور حضور علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد جہاں سکھ کتب میں اور بہت سے ردّ و بدل کئے گئے وہاں اِس مَن گھڑت اور جعلی قصہ کو بھی سکھ کتب کا حصہ بنا دیا گیا کہ باباصاحب نے مکّہ یا کعبہ کو اپنے پاؤں کے ساتھ گھما دیا تھا۔ ورنہ ۱۸۹۱ء سے قبل کی کتب میں اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔

اِس کے علاوہ اور بھی متعدد سکھ کتب ایسی ہیں جن میں اِس من گھڑت قصہ کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو نانک پربودھ صفحہ ۲۲۴ و نانک پرکاش مصنفہ گورمکھ سنگھ ناظم نظامت اُنادر گڑھ صفحہ ۵۷ و گورمت لیکچر صفحہ ۸۲ وغیرہ)

الغرض خدا تعالیٰ کے مقدس مسیح نے اِس سلسلہ میں جو ارشاد فرمایا تھا کہ مکّہ گھومنے یا کعبہ پھرنے کا قصہ ایک فرضی قصہ ہے اور یہ باباصاحبؒ کے حج کو چھپانے کے لئے بعد میں سکھ کتب میں داخل کیا گیا ہے' ایک حقیقت ہے۔ اور تمام سکھ لٹریچر اور سکھ ودوان اس کی تائید کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى عَبْدِكَ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

(باقی آئندہ)

ضروری انتباہ

احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کا ایک اہم اجلاس زیر صدارت مولانا ابوالعطاء صاحب پریذیڈنٹ ایسوسی ایشن ۲۴-۹-۵۶ کو ہوا۔ جس میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا گیا:-

"ہم ممبران احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن مغربی پاکستان کے اخبارات کے ایک حصہ کے رویہ پر اظہارِ تشویش کرتے ہیں کہ وہ جماعت احمدیہ کے خلاف عوام کو اشتعال دلا رہے ہیں اور ناجائز طور پر گمراہ کر رہے ہیں خاص طور پر ۲۴-۹-۵۶ کے چٹان لاہور کا لیڈنگ آرٹیکل نہایت ہی اشتعال انگیز اور جماعت احمدیہ کے جذبات کو شدید مجروح کرنیوالا ہے اور اس میں عوام کو قتل و خونریزی کی انگیخت کی گئی ہے۔ ہم حکومتِ مغربی پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء کے سے قابلِ مذمت حالات پیدا کرنے کی کوششوں کو فوری طور پر بروقت ناکام بنایا جائے۔" (سیکرٹری)

شـــذرات

فرقه دارانه تعصب -

شیعه اخبار ''صداقت'' گوجره لکهتا هے :-''اکثر بزرگوں کا یه خواب شرمنده تعبیر هونے والا هے که قادیانیوں کے بعد شیعوں کی باری هے - خداتعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے خیریت رکھے - تحفظ ختم نبوت کے سلسله میں آل پارٹیز اتحاد کے بعد اب پهر پاکستان میں سنی بورڈ کا قیام معرض وجود میں آ گیا هے -'' (۲۰ ستمبر ۵۶)

فساد و فتنه هر وقت هر جگه هی برا هے - مگر اس وقت مسلمان فرقوں کا باهم تصادم پاکستان میں نهایت هی نازیبا اور خطرناک هے - مظلوم خواه شیعه هو یا سنی هماری همدردی اور تعاون کا مستحق هے -

پرده پر عمده مضمون -

مکرم جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور سے تحریر فرماتے هیں :-

''ماه جولائی ۵۶ء کا رساله الفرقان آیا - اسے پڑھا خوب لطف آیا - محترمه مبشره آمنه خاتون کا مضمون درباره پرده کیا خوب لکھا گیا هے - جزاهاالله احسن الجزاء - لیس الذکر کالانثی - بهت کم مرد هیں جو پرده پر اس خوبی سے لکھتے هیں یا لکھ سکتے هیں - مولوی محمد علی صاحب وکیل لاهور نے جو الاماظهرمنها پر لکھا اس کا بهی مدلل جواب هے - حضرت احمدؑ اور حضرت نورالدین رضؓ اور حضرت خلیفه ثانی ایده الله کے حوالے نور علی نور هیں - الله کرے زور قلم اور زیاده'' -

حضرت مسیح کی قبر سرینگر میں -

ایک صاحب لکھتے هیں که ایک پادری صاحب کهتے هیں - که سرینگر والی قبر :-

'' شمالاً جنوباً هے جس سے معلوم هوتا هے که یه قبر کسی مسلمان بزرگ کی هے اگر مسیح ناصری کی قبر هوتی تو وه شرقاً غرباً هونی چاهئے تهی -'' جواباً عرض هے - که حضرت مسیحؑ بوجه نبی هونے کے ''مسلمان بزرگ'' هی تهے - حیرت هے که پادری صاحب بگڑی هوئی عیسویت کے طریقے کو جو خود مختلف هے همارے خلاف پیش کر رهے هیں - یوں سرینگر سے مکه معظمه اور یروشلم کی جهت کا نهایت هی خفیف سا فرق هے - پس پادری صاحب کا استدلال درست نهیں - اس قبر کے قبر مسیح هونے کے صدها شواهد موجود هیں -

اعـــلان -

همارے پاس بهت سے سوالات آئے هوئے هیں - ان سب کے جوابات اگلے نمبر میں اکٹھے شائع هونگے - انشاءالله

اخبار ”صدق جدید“ کے فاضل ایڈیٹر کا تبصرہ

مولانا عبدالماجد صاحب بی - اے ایڈیٹر ”صدق جدید“ لکھنو تردید بہائیت میں ہماری تصنیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”۱- بہائی تحریک کے متعلق پانچ مقالے - از مولوی ابوالعطاء جالندھری صاحب
۲۵۶ صفحہ قیمت ۲ روپیہ ۴ آنے مجلد ۲ روپیہ ۸ آنے

۲- بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ - از مولوی ابوالعطاء جالندھری صاحب
مجلد ۱۴۴ صفحہ قیمت ۱ روپیہ ۱۲ آنے

پتہ

مکتبہ الفرقان - ربوہ - پاکستان

بہائی مذہب پر اردو میں اتنی کم کتابیں ہیں کہ ان دو کتابوں کا وجود بہت مغتنم معلوم ہوتا ہے -

پہلی کتاب کا پہلا مقالہ بابی اور بہائی تحریک کی تاریخ پر ہے - دوسرے مقالے کا عنوان ہے - بہائیوں کے عقائد اور تحریک احمدیت - تیسرا بہاءاللہ کے دعویٰ کی نوعیت پر ہے - چوتھے کا عنوان ہے قرآنی شریعت دائمی ہے - اور پانچواں ہے ”قرآنی شریعت اور بہائیوں کی مزعومہ شریعت کا موازنہ“ -

کتاب کے مصنف ”احمدی“ ہیں - اور کتاب احمدیت ہی کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے اس لئے اس میں مناظرانہ رنگ جھلکنا قدرتی ہے - تاہم بہت سی پر مغز باتیں بھی بہائی مذہب و شریعت سے متعلق ان صفحات میں مل جاتی ہیں -

دوسری کتاب اس سے اہم تر اور زیادہ کام کی ہے - اس میں شریعت بہائی کا اصل صحیفہ یعنی بہاءاللہ کی کتاب الاقدس بجنسہ مع اس کے اردو ترجمہ کے نقل ہے - یہ نقل اگر صحیح ہے - تو ہر پڑھا لکھا اسے دیکھ کر خود ہی بہائی مذہب کی حقیقت پر مطلع ہو سکتا ہے - مشہور ہے کہ بہائیہ کسی مصلحت سے اپنے صحیفہ کے اخفاء کا اہتمام خاص رکھتے ہیں - ایسی صورت میں اسے شائع کر دینا ایک بڑی خدمت ہے اور قابل داد اقدام -“

(صدق جدید لکھنو ۱۷ اگست ۱۹۵۶ء)

Only Title Printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.